خاندان اجتہاد نمبر ۵

مدیر: اسیفؔ جائسی
نائب مدیر: حیدر علی

موسسۂ نور ہدایت حسینیہ غفران مآبؒ لکھنؤ ۳

NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION
Imambara Ghufran Maab
LUCKNOW-3 (U.P.) INDIA
Phone : 2252230

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد آقائے شریعت مولانا کلب عابد صاحب طاب ثراہ

خاندان اجتہاد نمبر ۵

زیر سرپرستی: قائد ملت حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا **سید کلب جواد** نقوی صاحب قبلہ (امام جمعہ لکھنؤ)

محرم الحرام ۱۴۲۵ھ مطابق فروری ۲۰۰۴ء

مدیر مسئول: سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی

نائب مدیر: حیدر علی

تعداد: ۱۰۰۰

قیمت:

ناشر

مؤسسۂ نور ہدایت

حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳

فون نمبر: 0522-2252230 موبائل: 09335276180

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین نگار	مضامین	نمبر شمار

اداریــــہ

''خاندان اجتہاد نمبر'' اس بار مجالس عظیم کے موقع پر کچھ مجبوریوں کی بنا پر نہیں شائع ہو سکا تھا۔ اور چھپنا بھی ضروری تھا مگر کب منظر عام پر آئے یہ مسئلہ تھا اسی شش و پنج کے ماحول میں قائد ملت جعفریہ مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب (صدر مؤسسۂ نور ہدایت) نے فرمایا کہ محرم نمبر تک مطبوع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ چنانچہ تعمیل حکم میں سوونیر حاضر ہے۔

گذشتہ ''خاندان اجتہاد نمبر'' میں فاضل نبیل مشفق چودھری سبط محمد نقوی صاحب کے مفید مضمون کے علاوہ بندہ نے حضرت غفران مآبؒ، عماد العلماء میر آغا صاحب اور قدوۃ العلماءؒ (بانئ شیعہ کانفرنس) پر مضامین قلمبند کر کے پیش کئے تھے۔

اس نمبر میں سرکار سید العلماءؒ، علامہ سید محمد رضی، علامہ سید سعید اختر اور مولانا مرتضیٰ حسین لکھنوی کے مضامین مفیدہ کے علاوہ بندہ کا ایک مضمون اور امتیاز الشعراء قدسیؔ جائسی کا ''خاندان اجتہاد'' نامی مسدس موجود ہے۔

خاندان اجتہاد پر اب تک تحقیقی کام تھوڑا ہوا ہے اور کافی حد تک باقی ہے جس کے لئے اراکین نور ہدایت فاؤنڈیشن کوشاں ہیں اور انشاء اللہ یہ سلسلہ شروع ہوا ہے تو جاری رہے گا۔

اس سوونیر کی طباعت واشاعت میں جن حضرات حمیدہ صفات نے کسی بھی طرح سے مدد کی ہے ان کا اور خصوصاً سید اظہار حسین نقوی صاحب (منتظم حسینیہ غفران مآبؒ) کا اراکین ادارہ شکر گزار ہیں۔

آخر میں تمام دردمندان ملت اور مخیر اشخاص سے التماس ہے کہ وہ مؤسسہ کی دامے، درمے، سخنے، قدمے مستقل مدد فرمائیں تا کہ مذہب وعلماء مذہب پر زیادہ سے زیادہ تحریری وتحقیقی کام ہو سکے۔

گدائے در اہلبیتؑ
سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی
حسینیہ حضرت غفرانمآبؒ مولانا کلب حسین روڈ
چوک لکھنؤ ۳ (یو۔پی)
فون نمبر 0522-2252230

علامہ سید دلدار علی غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ

رہنمائے شاہراہِ اقتصاد
نخلبندِ بوستانِ اجتہاد
حامئ دیں ماحئ کفر وضلال
سرگروہِ عالمانِ باکمال
مالکِ اقلیمِ زہد و اتقا
حکمرانِ کشورِ حلم وحیا
علم سے جس کے عمل توام ہوا
دین جس کے زور سے محکم ہوا
لکھنؤ اب سبزوارِ ہند ہے
دمبدم افزوں بہارِ ہند ہے

حاجی مرزا جعفر علی فصیحؔ (مثنوی نان ونمک)

مجدد ملت جعفریہ آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت غفرانمآب مولانا

سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

نام ونسب

مولانا سید علی معروف بہ دلدار علی ابن سید محمد معین ابن سید عبد الھادی نصیر آبادی سادات نقوی میں طاہر ابن جعفر تواب ابن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

آپ کے ایک مورث اعلیٰ سید نجم الدین سبزوار سے سالار مسعود غازی کی نصرت کے لئے ایک فوج کے سردار کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے اور ضلع رائے بریلی میں قصبہ ودیانگر کو فتح کر کے اسکا نام جائے عیش رکھا جو کثرت استعمال سے جائس مشہور ہو گیا پھر آپ ہی کی اولاد میں سے سید زکریا نے قلعہ پٹاک پور کو مسخر کر کے اسکا نام اپنے بزرگ سید نصیر الدین کے نام پر نصیر آباد رکھا۔

ولادت، نشوونما اور طالب علمی

اسی نصیر آباد میں ۱۱۶۶ھ میں ایک شب جمعہ کو جناب دلدار علی صاحب کی ولادت اور پھر وہیں نشوونما اور ابتدائی تعلیم ہوئی ذوق علم قدرت کی طرف سے بچپن ہی میں بیچین کئے ہوئے تھا اور اس تشنگی کو دور کرنے کے لئے وطن کی سرزمین بے آب نظر آتی تھی اسی لئے مسافرت اختیار کی اور

اس وقت کہ جب ذرائع آمد و رفت دشوار تھے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کر کے سندیلہ میں شارح سلم ملا حمد اللہ کے صاحبزادے ملا حیدر علی سے الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے رائے بریلی میں مولوی باب اللہ شاگرد ملا حمد اللہ سے صرف ونحو معانی و بیان وغیرہ اور علوم عقلیہ منطق وفلسفہ و ریاضی کی تکمیل کی پھر فیض آباد تشریف لے گئے اور وہاں بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب سہالوی سے بعض مسائل عقلیہ پر مباحثہ ہوا وہاں سے لکھنؤ تشریف لائے۔ یہاں اسوقت نواب آصف الدولہ مرحوم کی حکومت تھی اور نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں کا اقتدار تھا۔ انہیں احساس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں ہوا جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو اس طرح خداوند عالم نے ان کو جناب غفرانمآبؒ کی اتنی امداد کی توفیق عطا فرمائی کہ آپ تکمیل علم کے لئے عتبات عالیات کی طرف روانہ ہوئے۔

تکمیل علم اور مراجعت:۔ پہلے عراق پہنچے اور کربلائے معلیٰ میں صاحب ریاض آقا سید علی طباطبائی اور آقا سید مہدی موسوی شہرستانی نیز خود ان بزرگوں کے استاد، استاد اکبر آغا باقر بہبہانی سے اور نجف اشرف میں بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی سے فقہ اور اصول اور علم حدیث کی

تکمیل کی۔اس کے بعد ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدس (ایران) کی طرف رخ کیا اور جناب سید محمد مہدی ابن سید ہدایت اللہ اصفہانی سے اکتساب علوم کیا اور بعد تکمیل ہندوستان مراجعت فرما ہوئے اور مرزا حسن رضا خاں کی خواہش سے لکھنؤ میں قیام فرمایا اور سلسلۂ تصنیف وتدریس وتبلیغ شروع کیا چند ہی سال کے اندر چند کتابیں تصنیف کر کے عراق بھیجیں اور مذکورہ بالا اساتذہ نے اجازات روانہ فرمائے۔

ماحول اور دینی خدمات

اسوقت ہندوستان میں فرقۂ شیعہ کے افراد بڑے دور جہالت سے گذر رہے تھے اقلیت میں ہونے کے ساتھ کوئی علمی و دینی سرچشمہ قریب نہ ہونے کی وجہ سے دوسری جماعتوں کے رسوم کو اختیار کئے ہوئے تھے احمد کبیر کی گائے شیخ سدّو کا بکرا میران جی کے گلگلے اور بھوانی جی کی منتیں ایسے رسوم شیعوں میں رائج تھے جناب غفرانمآب نے ایک طرف موعظہ ونصیحت سے داخلی اصلاح فرمائی اور ان سب رسوم کا قلع قمع کیا اور دوسری طرف دوسرے فرقوں کے علماء کا مقابلہ کیا اس وقت ایک محاذ شیعیت کے خلاف اہلسنت کا تھا اور دوسری طرف صحیح تعلیمات شریعت کے خلاف اخباریت کا تھا تیسرا بے مغز صوفیت کا جسکے نتیجہ میں پیری مریدی کا زور تھا اور احکام شرعیہ سے قطعی بے پروائی برتی جاتی تھی جناب غفرانمآبؒ نے تن وتنہا ان تمام محاذوں پر مقابلہ کیا۔

اہلسنت کے محاذ کی قوت اس سے ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفۂ اثناعشریہ اسی دور میں لکھی جس پر ڈیڑھ سو برس گذرنے کے بعد آج تک اہلسنت کی جانب سے مناظرہ کا دارومدار ہے تحفہ کے مختلف ابواب کے جواب میں خود جناب غفرانمآبؒ نے قلم اٹھایا اور پانچ کتابیں پانچ بابوں کے جواب میں لکھیں صوارم الالٰہیات باب الٰہیات کے جواب میں حسام الاسلام باب نبوت کے جواب میں خاتمہ صوارم اثبات امامت میں احیاء السنۃ مبحث معاد و رجعت اور ذوالفقار باب دوازدہم کی رد میں اس کے علاوہ رسالۂ غیبت بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی ہی کی رد میں ہے نیز کچھ ابواب کا جواب اپنے تلامذہ سے لکھوایا جیسے جناب مفتی محمد قلی صاحب نیشاپوری کنتوری جنھوں نے دو بابوں کے جواب میں تَقْلِیبُ الْمَکَائِدِ اور تَشْیِیْدُ الْمَطَاعِنِ دو کتابیں لکھیں دوسرا محاذ یعنی اخباریت کا بھی بڑا زور تھا جس کے بڑے سرگروہ اکبرآباد (آگرہ) کے باشندے مرزا محمد بن عبدالصائغ نیشاپوری تھے جو عراق میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور آخر میں مجتہدین کے خلاف نا قابل برداشت سخت کلامیوں کے نتیجہ میں کسی نے جوش اشتعال میں آکر انہیں قتل کر دیا اور اسی طرح مرزا محمد مقتول مشہور ہوئے ان کے اثرات اس وقت ہندوستان میں بہت زیادہ تھے اخباریوں کی مایہ ناز کتاب اس وقت فاضل استرآبادی ملا محمد امین کی فوائد مدنیہ تھی چنانچہ جناب غفرانمآبؒ نے اسی کتاب پر قلم اٹھایا اور اساس الاصول اسکی رد میں لکھی۔

یہ اخباریین پر بڑی شدید ضرب تھی چنانچہ مرزا محمد اکبرآبادی نے اس کی رد معاول العقول کے نام سے لکھی جناب غفرانمآبؒ نے اپنے بعض شاگردوں کی طرف سے اس کا جواب مطارق کے نام سے تحریر فرمایا اور آخر

غفرانمآبؒ کے مساعی سے اخباریت کا چراغ ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

صوفیت کے مقابلہ میں جناب غفرانمآبؒ نے شہاب ثاقب کتاب لکھی جس میں صوفیا کے اصلی خط وخال کو بالکل بے نقاب کر کے پیش کر دیا گیا ہے مواعظ اور تبلیغات کے ذریعہ اس میں جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے اسکا آنکھوں سے مشاہدہ ہورہا ہے کہ سوا سندھ اور پنجاب کے دور دراز مقامات کے جہاں آواز پوری طرح پہونچ نہ سکی تھی یوپی اور اسکے قریب کے تمام علاقوں میں شیعوں کے اندر پیری ومریدی خانقاہوں اور اولیاء کے مزارات کا نام ونشان تک نہیں ہے ان تینوں محاذوں پر مدافعانہ مجاہدات کے علاوہ شیعوں کی ذہنی مذہبی تربیت کے لئے ایک طرف مواعظ کا سلسلہ قائم فرمایا۔ دوسری طرف عزائے امام حسینؑ کی ترویج و اشاعت میں پورا انہماک صرف کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دو کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ ایک کتاب اِثَارَۃُ الْاَحْزَانِ عَلَی الْقَتِیْلِ الْعَطْشَانِ اور دوسرے مُسَکِّنُ الْقُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ اور تعمیری شکل میں ایک عزاخانہ لکھنؤ میں تعمیر کرایا جو حسینیہ غفرانمآبؒ کے نام سے دنیائے شیعت میں مشہور ہے اور دوسرا حسینیہ اپنے وطن نصیر آباد میں بنوایا جسکے آثار شکستہ اس وقت تک موجود ہیں اسکے علاوہ آصف الدولہ کا امامباڑہ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔

ان تمام خدمات میں سے ہر ایک میں جتنا کام غفرانمآبؒ نے بذات خود کیا ہے وہ کسی ایک شخص کی پوری زندگی کا کارنامہ بن سکتا تھا چہ جائیکہ ان تمام خدمات کو مجموعی حیثیت سے بوقت واحد انجام دینا یہ بغیر مخصوص تائید وتوفیق الٰہی کے خیال میں نہیں آسکتا پھر مستقل علمی خدمات اور مختلف فنون میں تصانیف یہاں تک کہ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ ملا صدرا کا حاشیہ اور منطق میں حمد اللہ کا حاشیہ یہ پوری زندگی کے کارنامے وہ ہیں جنکا مثل ونظیر غفرانمآبؒ کے بعد آپ کے اخلاف وتلامذہ اور بعد کے طبقات میں بھی نہیں ملتا جب کہ اب حالات اطمینان بخش ہو چکے تھے اور ایک ماحول تیار ہوگیا تھا اور یوں کہنا چاہئے کہ ان تمام شعبوں میں بنیا دیں قائم ہوکر تھوڑی دیواریں بھی تعمیر ہوگئی تھیں صرف انہیں اونچا کرنا تھا پھر بھی غفرانمآبؒ کی سعی ہمہ گیری کسی شخصیت میں نظر نہیں آتی۔

مذکورہ تمام امور کے علاوہ پھر طلاب کی تدریس و تربیت جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم ہے اس کی انتہا غفرانمآب طاب ثراہ تک ضرور ہوتی ہے جسکے تفصیلی تذکرہ کی اس مقام پر گنجائش نہیں ہے۔

تصانیف:

جناب غفرانمآبؒ کے تصانیف پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ اتنی مقدار میں ہیں جس سے خیال ہوسکتا ہے کہ ان کا مشغلہ سوائے تصانیف کے کچھ تھا ہی نہیں۔

ان کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) عماد الاسلام: جسکا اصلی نام مرآۃ العقول ہے یہ کتاب علم کلام میں اتنی بسیط وضخیم ہے جسکے مثل دنیائے تشیع کیا پورے عالم اسلامی میں بھی موجود نہیں ہے شیعوں میں تو علم کلام کی کتابوں میں اسکے پہلے محقق طوسیؒ کی تجرید تھی جسے

صرف ایک رسالہ سمجھنا چاہئے اور پھر علامہ حلیؒ کی شرح تجرید یہ بھی تین چار سو صفحات کی بس ایک جلد ہے اہلسنت میں علم کلام کی اہم کتابیں شرح مقاصد اور شرح مواقف ہیں ان میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ چھ سات سو صفحات کی کتاب ہے لیکن سب سے پہلی اور آخری کتاب عماد الاسلام ہے جسکی پانچ جلدیں ہیں جن میں سے توحید بڑے سائز کے تقریباً چار سو صفحات کی عدل دو سو صفحات کی نبوت تین سو صفحات کی اور امامت تقریباً چھ سو صفحات کی اور معاد پانچ سو صفحات کی ہے اس طرح مجموعاً تقریباً یہ بیس بائیس سو صفحات کی کتاب ہے جسکے مقابل نہ اسکے پہلے کوئی کتاب لکھی گئی تھی اور نہ اسکے بعد لکھی گئی ہے پھر یہ کسی ایسی کتاب کی جلدیں نہیں ہیں جس میں صرف منقولات ہوں اور مؤلف کا کام بس دوسری کتابوں کی عبارتوں کا نقل کرنا ہو بلکہ یہاں عقلی مباحث ہیں جن میں محنت ہی نہیں قابلیت بھی درکار ہے اور دماغ سوزی کی ضرورت ہے اگر غفرانمآبؒ نے عمر بھر میں یہی ایک کتاب لکھی ہوتی تو انکے دیگر مشاغل کو دیکھتے ہوئے یہ خارق عادت امر تھا چہ جائیکہ ان کے مصنفات میں سے صرف ایک ہے اسکی تین جلدیں ہیں توحید، عدل اور نبوت مطبوعہ عماد الاسلام میں جو جناب قدوۃ العلماء طاب ثراہ نے قائم کیا تھا طبع ہوئیں مگر امامت اور معاد کی جلدیں اب تک منظر عام پر نہ آسکیں۔

(۲) **شہاب ثاقب**:- یہ تقریباً چار سو صفحات کی کتاب صوفیا کی رد میں ہے جس میں انکے اقوال و اعمال پر شدید ناقدانہ نظر اور انکے کفریات و مزخرفات پر بہت تیز روشنی ڈالی گئی ہے افسوس ہے کہ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

(۳) **ذُو الْفِقَارِ**- یہ شاہ عبد العزیز کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کے بارہویں باب کی رد ہے جو تقریباً تین سو صفحات کی ہے اور مطبع مجمع البحرین لدھیانہ میں جسے ارسطو جاہ رجب علی خاں اعلی اللہ مقامہ نے قائم کیا تھا طبع ہوئی۔

(۴) **صَوَارِمُ الْاِلٰہِیَّاتِ**- یہ تحفۂ اثنا عشریہ کے باب الٰہیات کی رد میں ہے۔

(۵) **حُسَامُ الْاِسْلَامِ**- یہ تحفہ کے باب نبوت کا جواب ہے

(۶) **خاتمہ کتاب صوارم**- یہ اثبات امامت میں ایک علٰحدہ رسالہ ہے۔

(۷) **اِحْیَاءُ السُّنَّۃِ**- یہ تحفہ کے مبحث معاد و رجعت کی رد ہے۔

(۸) **رسالۂ غیبت**:- یہ بھی شاہ عبد العزیز دہلوی کے اقوال کی رد میں ہے اور شاہی مطبع لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔

(۹) **اساس الاصول**- یہ اخباریین کی مایہ ناز کتاب فوائد مدنیہ مصنفہ محمد امین استرآبادی کی رد میں ہے جو لکھنؤ کے شاہی مطبع میں طبع ہوئی تھی

(۱۰) **مواعظ حسینیہ**:- یہ لکھنؤ میں قیام جمعہ و جماعت کے بعد جو مواعظ ارشاد فرمائے گئے تھے انکا مجموعہ ہے۔

(۱۱) **شرح حدیقۃ المتقین**- مصنفہ مولانا محمد تقی مجلسیؒ کتاب الصوم یہ اصل کتاب بھی فارسی میں تھی اور اسکی شرح بھی فارسی میں ہے جو اس وقت کی عام فہم زبان سمجھی جاتی تھی۔

(۱۲) شرح حدیقۃ المتقین کتاب الزکوٰۃ

(۱۳) رسالہ در بارۂ نماز جمعہ - یہ عراق سے واپسی اور لکھنؤ میں قیام کے ابتدائی دور میں غالباً اس وقت تحریر فرمایا تھا جب لکھنؤ میں نیا نیا نماز جمعہ و جماعت کا دور دورہ ہوا ہے اور ابھی عامۂ مومنین کو پوری طور پر نماز جمعہ کی اہمیت کا احساس نہ تھا تو اسوقت یہ رسالہ تحریر فرمایا گیا۔

(۱۴) حاشیہ صدرا :- یہ فلسفہ کی مشہور کتاب شرح ہدایۃ الحکمۃ مصنفہ صدر المتالہین شیرازی کا حاشیہ ہے جسکی مدح وثنا جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب فلسفی نونہروی نے معراج العقول میں اپنے استاد مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی زبانی نقل کی ہے۔

(۱۵) رسالہ مثناۃ بالتکریر - یہ بحث صدرا کی بہت مشہور ہے اس رسالہ میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

(۱۶) مُنْتَهَى الْاَفْكَارِ :- اصول فقہ میں معالم کو ایک منفرد مسلم حیثیت حاصل تھی سب سے پہلے صاحب قوانین نے معالم کے بہت سے نظریات سے اختلاف کیا اور کچھ جدید نظریات اختیار کئے جناب غفرانمآبؒ اور صاحب قوانین ایک ہی استاد کے شاگرد تھے آپ نے قوانین کے مضامین کا علمی جائزہ لینے کے لئے کتاب تحریر فرمائی یہ کتاب انجمن یادگار علماء کی جانب سے جسے عمِ معظم علامہ ہندی اعلی اللہ مقامہ نے قائم فرمایا تھا تصویر عالم پریس لکھنؤ میں چھپ کر شایع ہوئی۔

(۱۷) اِثَارَةُ الْاَحْزَانِ عَلَى الْقَتِيْلِ الْعُطْشَانِ: یہ کتاب عربی میں حالات سید الشہداءؑ میں ہے جس میں کتب معتبرہ سے روایات واقعۂ کربلا کو درج فرمایا ہے۔

(۱۸) مُسَكِّنُ الْقُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ: آپ کے نہایت عزیز فرزند مولانا سید مہدی نے ۱۲۳۱ھ میں رحلت فرمائی ان کے انتقال سے جناب غفرانمآبؒ کو شدید صدمہ ہوا انہیں تاثرات میں یہ کتاب تحریر فرمائی جو شہید ثانیؒ کی کتاب مُسَكِّنُ الْفُؤَادِ عِنْدَ فَقْدِ الْاَحِبَّةِ وَ الْاَوْلَادِ کے رنگ میں ہے اس میں حالات حضرت سید الشہداءؑ بھی خاص انداز میں درج کئے ہیں۔

(۱۹) اجازۂ جناب سلطان العلماء طاب ثراہ: یہ وہ اجازہ ہے جو آپ نے فرزند اکبر کے لئے تحریر فرمایا تھا اس میں روایت و درایت کے بہت سے مباحث کے علاوہ اپنے اساتذہ کے مختصر حالات بھی تحریر فرمائے ہیں نیز آخر میں بڑے بیش قیمت وصایا ہیں۔

(۲۰) رسالہ در جواب سوالات محمد سمیع صوفی

(۲۱) رسالۂ ارضین عربی: اس میں مختلف طرح کی زمینوں کے شرعی احکام استدلالی طور پر تحریر فرمائے ہیں۔

(۲۲) رسالۂ ذہبیہ :سونے اور چاندی کے برتنوں کے احکام میں۔

(۲۳) رسالہ ردنصاریٰ

(۲۴) مطارق : یہ اساس الاصول کے جواب میں مرزا محمد اکبر آبادی مقتول کی کتاب معادل العقول کا جواب ہے جو بعض تلامذہ کے نام سے لکھا گیا تھا۔

(۲۵) رسالہ درادعیہ کفن

تلامذہ : تصانیف کے اس عظیم الشان ذخیرہ کے بعد جناب غفرانمآبؒ کے شاگردوں کی فہرست اور ان شاگردوں کے مقامات عالیہ اور علمی جلالت پر نظر پڑتی ہے تو پھر سوا حیرت کے کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔

یہ شاگرد بھی ایسے ہیں کہ ان میں بس صرف کوئی ایک فرد ہوتی تو وہ اپنے استاد کا کارنامہ قرار پاسکتی تھی چہ جائیکہ اتنی باکمال فردیں بوقتِ واحد کسی استاد کے شاہکاروں میں داخل ہوں۔

پھر وہ موجودہ زمانہ نہیں تھا کہ کسی بڑے استاد کے منتہی شاگرد ابتدائی تعلیم کسی اسکول میں حاصل کئے ہوتے ہیں۔ پھر کسی کالج میں داخل ہو کر مختلف درجوں کی تعلیم الگ الگ استادوں سے حاصل کرتے ہیں معانی، بیان میں کسی سے اور منطق میں کسی سے اور ادب میں کسی سے استفادہ کرتے اور پھر آخر میں جاکر دو ایک سال اس بڑے استاد سے پڑھ لیتے ہیں اور پھر شرف و امتیاز کی خاطر اسی بڑے استاد کے شاگرد کی حیثیت سے دنیا میں اپنا تعارف کراتے ہیں خصوصاً ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل اور سند یافتہ حضرات اپنی استعداد علمی مختلف مدرسین وعلماء کے گھروں پر جاجاکر ان سے پڑھ کر درست کرتے ہیں مگر چونکہ سند یافتہ وہ اس مدرسہ کے ہوتے ہیں لہٰذا وہ محسوب ہوتے ہیں۔ اس مدرسہ کے پرنسپل صاحب قبلہ کے تلامذہ میں اس دور میں جب جناب غفرانمآبؒ لکھنؤ میں تشریف لائے ہیں علمی مدارس نہیں تھے۔ دینی کالج نہیں تھے بہت سے اساتذہ و علماء نہیں تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب غفرانمآبؒ اپنے بیٹوں اور شاگردوں کے لئے ایک اکیلے پورا مدرسہ تھے۔ پھر جب ان صاحبزادوں اور شاگردوں کی مختلف فنون میں خصوصی مہارت کو دیکھا جاتا ہے جو موجودہ دور کے اکسپرٹ والے نظام کے مطابق ہے یعنی ایک طرف جناب سلطان العلماء بڑے قبلہ وکعبہ اور مفتی محمد قلی صاحب ہیں جو علم کلام کے ماہر خصوصی ہیں۔ ایک جانب سبحان علی خاں مصنف وجیزہ ہیں جو مناظرہ میں دستگاہ خاص کے مالک ہیں ایک سمت جناب سید العلماء علیین مکاں اور علامۃ العلماء سید احمد علی صاحب محمد آبادی ہیں جو فقہ واصول کے یگانۂ روزگار ہیں اور ایک رُخ پر میر علی بخش صاحب کنتوری ہیں جو ادب میں فردِ فرید ہیں۔ پھر ایک طرف مولانا سید علی صاحب اور مولوی یادعلی نصیر آبادی مفسر قرآن ہیں۔

اور ایک جانب سید نظام الدین حسین صاحب ہیئت وریاضی اور معقولات کے استاد کامل ہیں اور مرزا زین الدین احمد خاں ادب اور عروض وقوافی کے ممتاز ماہر ہیں تو یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ غفرانمآبؒ بذات خود ایک مدرسہ نہیں بلکہ عربی زبان اور دینی علوم کی ایک پوری یونیورسٹی تھے جس کا ہر شاگرد پھر خود اپنے شعبہ میں تعلیم کا ایک مدرسہ اور تصنیف کا ایک ادارہ بن گیا۔

ذیل میں ان کے شاگردوں کے نام مختصر تعارف کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) سلطان العلماء مولانا سید محمد رضواں مآبؒ

جناب غفرانمآبؒ کے بڑے صاحبزادے آپ اپنے والد

بزرگوار کی علمی تربیت کا نمایاں مرقع تھے اور جناب غفرانمآبؒ کے بعد وہ ریاستِ علمیہ کے سچے معنی میں تاجدار ہوئے۔(۲) مولانا سید علی صاحب غفرانمآبؒ کے دوسرے بیٹے تھے سب سے پہلے اردو زبان میں مذہبی علوم کے منتقل کرنے کا آپ کو خیال پیدا ہوا اور مکمل تفسیر قرآن دو جلدوں میں تحریر فرمائی یہ اردو زبان میں دُنیائے شیعیت کی سب سے پہلی تفسیر ہے۔(۳) مولانا سید حسن جناب غفرانمآبؒ کے تیسرے بیٹے اردو زبان میں علمِ کلام کی سب سے پہلی کتاب باقیات الصالحات کے مصنف (۴) چوتھے بیٹے مولانا سید مہدی عنفوان شباب میں باپ کی زندگی میں انتقال کیا۔ معقول و منقول میں بلند پایہ رکھتے تھے۔(۵) جناب سید العلماء سید حسین علیین مکاں اپنے وقت کے اعلم دُنیا تھے (۶) محقق کاظم مرزا کامل علی صاحب جناب غفرانمآبؒ کے قدمائے تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی نے اپنی کتاب سفر السعادۃ میں اپنے حالات میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ طالب علمی میں جب وہ لکھنؤ آئے تو پہلے غفرانمآبؒ کے شاگردِ رشید مرزا کاظم علی صاحب سے ملے اور کچھ عرصہ تک ان سے تعلیم حاصل کی پھر انہیں کے ذریعہ سے جناب غفرانمآبؒ تک پہونچے اور ان کے شاگرد ہوئے۔(۷) مرزا محمد خلیل جناب غفرانمآبؒ کے بڑے عزیز شاگرد تھے ان کے انتقال پر اپنے تأثرات کا اظہار غفرانمآبؒ نے عماد الاسلام کے دیباچہ میں کیا ہے (۸) علامۃ العلماء حاج سید احمد علی محمد آبادی معقولات و منقولات میں بہت بلند پایہ تھے عربی اشعار بھی نظم فرماتے تھے جو جناب مفتی میر محمد عباس صاحب کی ظل ممدود میں درج ہیں۔ نیز عربی نثر بھی ادبی رنگ میں تحریر فرماتے تھے۔ آپ نے اپنا سفر نامہ حج و زیارات ''سفرا لسعادۃ'' کے نام سے لکھا ہے جس میں اپنے اور نیز اپنے استاد جناب غفراں مآبؒ اور استادزادوں کے مختصر حالات بھی درج فرمائے ہیں۔ یہ جناب مولوی علی میاں صاحب کامل کے والد بزرگوار تھے (۹) مفتی محمد قلی صاحب موسوی نیشاپوری کنتوری، جناب مولانا حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار کے والد بزرگوار اور جناب ناصر الملۃ کے جد امجد تھے۔ علم کلام میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ تحفہ کے متعدد ابواب کی رد میں ''تَشْئِيدُ الْمَطَاعِنِ'' ''تَقْلِيبُ الْمَكَائِدِ'' اور ''سیف ناصری'' وغیرہ آپ کی کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔(۱۰) سبحان علی خاں صاحب آپ الٰہ آباد کے کمبوہ خاندان کے مورث اعلیٰ تھے۔ حکومت اودھ میں وزیر کے درجہ پر بھی تھے۔ فن کلام و مناظرہ کی تکمیل جناب غفراں مآب صاحب سے کی تھی آپ کی کتاب ''وجیزہ'' رداہلسنت میں بہت بلند پایہ ہے (۱۱) مرزا فخر الدین احمد خاں معروف بمرزا جعفر صاحب (۱۲) مولوی سید یاد علی صاحب نقوی نصیر آبادی آپ نے فارسی زبان میں تفسیر تحریر فرمائی جو ہندوستان میں شیعوں کی پہلی فارسی تفسیر ہے (۱۳) میر مرتضیٰ صاحب مصنف رسالۂ ''اسرار الصلاۃ'' (۱۴) سید غلام حسین صاحب (۱۵) سید محمد باقر صاحب واعظ۔(۱۶) سید شاکر علی صاحب (۱۷) سید علی صاحب (۱۸) حاجی سید نظام الدین حسین صاحب (۱۹) مرزا جواد علی صاحب

(۲۰)حکیم مرزا علی شریف صاحب محشی کتب کلامیہ وطبیہ و مصنف رسالۂ طبیہ(۲۱) سید مرتضیٰ صاحب (۲۲)مرزا محمد رفیع عرف مرزا مُغل صاحب غافل(۲۳)مولوی سید بہاؤالدین صاحب (۲۴)مولوی سید اصغر ابن سید بہاؤالدین صاحب (۲۵)حکیم مرزا علی صاحب(۲۶)سید حمایت حسین عرف میر علی بخش صاحب کنتوری عربی ادب اور شاعری میں یکتائے زمانہ تھے آپ نے اساس الاصول کا اردو ترجمہ کر کے ہماری زبان میں اصول فقہ کا بھی ایک ذخیرہ فراہم کیا(۲۷)مرزا اسماعیل صاحب جو زیارات سے مشر ف ہونے کے بعد سے تبلیغ دین کے لئے حیدر آباد تشریف لے گئے(۲۸)مرزا محمد علی صاحب سفر زیارت کے بعد مکۂ معظّمہ گئے پھر واپس نہیں آئے (۲۹) سید سجاد علی صاحب جائسی آپ نے عماد الاسلام کے مقدمات کا اردو میں ترجمہ کیا (۳۰)مرزا زین الدین احمد خاں عرف مرزا محسن صاحب آپ ادب اور عروض و قوافی کے فن میں کامل تھے(۳۱)مولوی سید اعظم علی صاحب (۳۲)ملا علی نقی قزوینی (۳۳)مولوی سید علی نقی ابن سید بہاؤ الدین صاحب (۳۴)مولوی سید بنیاد علی صاحب (۳۵)میر خدا بخش صاحب مختار آفرین علی خاں (۳۶)مولوی مُنو علی خاں جو سُنی سے شیعہ ہوئے تھے (۳۷)سید امان علی صاحب(۳۸)مولانا سید عبدالعلی دیوکھٹوی جو فیض آباد کے خاندان پیش نماز کے مورث اعلیٰ ہیں(۳۹)مولانا سید محمد صاحب ابن سید عبدالعلی صاحب مذکور (۴۰)مولوی سید کلب علی صاحب ابن عبدالعلی صاحب مذکور(۴۱)مولوی سید اشرف علی صاحب بلگرامی۔ غالباً عربی کتاب رَوْضُ الْجِنَانِ فِیْ مُشْتَهَی الْجِنَانِ آپ ہی کی تصنیف ہے۔

مبلغین کا تقرر

آپ نے مختلف اطراف میں ہدایت وتعلیم دین کے لئے مبلغین کے تقرر کی ابتدا بھی فرمادی تھی۔ چنانچہ مولانا عبدالعلی صاحب اور ان کے صاحبزادے فیض آباد تشریف لے گئے مرزا اسماعیل صاحب حیدر آباد دکن گئے۔امروہہ سے محلہ گزری کے مولوی سید محمد عبادت صاحب نے لکھنؤ جا کر جناب غفرانمآبؒ سے امامت جماعت کا اجازہ حاصل کیا اور مسائل شرعیہ کی تعلیم کے لئے جناب غفرانمآبؒ نے شیخ حرّ عالمی کی کتاب بدایۃ الهدایہ مرحمت فرمائی کہ اختلافی مسائل میں احتیاطی احکام کی مومنین کو تلقین فرمائیں سبحان علی خاں صاحب مرحوم کے خاندان سے الہ آباد میں خدمات دینیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔

وفات

لکھنؤ میں پینتیس برس کامل اس جہاد زندگی میں مصروف رہ کر تقریباً ستر برس کی عمر میں ۱۹؍رجب ۱۲۳۵ھ کو رحلت فرمائی اور اپنے بنا کردہ امام باڑے کی صحنچی میں دفن ہوئے۔

مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی نے تاریخ نظم فرمائی جو درج ذیل ہے:

فقیہ و مجتہد وعالم و مروّج دیں
شریف مکّہٗ علم و کمال وفضل و تقا
ضیاء دیدۂ دروازہ مدینہٗ علم
عزیز مصر سیادت،سپہر مجد و عُلا
نہ دید چشم فلک مثل آں مجدّد دیں
کہ شاہد اند بفضل و بزرگیش اعدا
جمال در خور علم وکمال داشت از اں
کہ بد ز روز ازل مہبطِ فیوض خدا
بآبیاری ارشاد آں سحاب فیوض
دمید در گل ناچیز ہند یش گُلہا

رسید چوں شب تاسع عشر ز ماہِ رجب
سفربہ روضۂ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبت جاں کا ہ شیعیاں یکسر
بہ سوز سینہ نمود ند ماتمش برپا
چوایں مصیبتِ عظمٰی در اہل دیں روداد
بدل گزشت کہ تاریخ آں کنم نشاں
سروش غیب ہماں وقت ناگہاں فرمود
ستون دین بزمیں اوفتاد واویلا
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

❁❁❁

حضرت غفرانمآبؒ مولانا سید دلدار علی اور شیعہ سماج کی تشکیل

تحریر: مبلغ اعظم حجۃ الاسلام مولانا سید سعید اختر رضوی صاحب قبلہ گوپالپوری طاب ثراہ
اقتباس : فاضل نبیل چودھری سبط محمد نقوی صاحب

یہ امتیاز مرحوم آصف الدولہ کو حاصل ہے کہ ان کے عہد معدلت مہد میں (۱۱۸۸ھ ۱۲۱۲ھ ۱۷۷۵ء ۱۷۹۷ء) اودھ، بلکہ شمالی ہند میں شیعہ سماج کی بنیاد پڑی یعنی تقیہ کا عمل دخل ختم ہوا شیعہ عقائد کی بلاخوفِ لومۃ لائم ترویج ہوئی۔ عزاداری کو فروغ دیا گیا شیعہ احکام ومناسک پر علی الاعلان عمل شروع ہوا شمالی ہند میں شیعوں کی نماز جمعہ قائم ہوئی شیعہ اصول وفروع کی تعلیم کے لئے مدارس قائم ہوئے۔ تشیع میں تصوف کی آمیزش ختم ہوئی اور اوہام پرستی کا بڑی حد تک قلع وقمع کیا گیا۔ بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ تشیع کی جو خدمت شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایران اور عراق میں انجام دی وہ آصف الدولہ نے شمالی ہندوستان میں انجام دی اور دونوں حکمرانوں کے جانشینوں نے ان کے قائم کردہ معاشرہ کو مزید استحکام بخشا مجلسوں اور جلوس ہائے عزا کو ہر طبقہ میں رائج کیا گیا حکمرانوں کی دیکھا دیکھی ہندو اور سنی امرائے دربار نے بھی امام باڑے اور کربلائیں تعمیر کیں۔ اس طرح ہندوستان کی طویل تاریخ میں پہلی مرتبہ شیعوں کا ایک واضح تشخص قائم ہوا اور ایک ایسا سماج وجود میں آیا جس میں شیعہ عوام اور خواص تقیہ کے بندھن سے آزاد ہوکر زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے اصول ونظریات کے مطابق عمل پیرا ہو سکتے تھے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ غفرانمآب علیہ الرحمۃ کی جدوجہد اور رہنمائی کا نتیجہ تھا۔ لیکن اگر حکمراں یا ان کے نائب السلطنت سرفراز الدولہ حسن رضا خان کی سرپرستی اور حمایت حاصل نہ ہوتی تو جو کچھ ہوا اس کا عشر عشیر بھی ممکن نہیں تھا۔

سرفراز الدولہ نے غفرانمآبؒ کے سفر عراق و ایران کو ممکن بنایا۔ غفرانمآبؒ ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء میں عراق گئے اور ۱۱۹۴ھ ۱۷۸۰ء میں واپس آئے۔ چونکہ عراق جانے اور ہندوستان واپس آنے کی تاریخ نہیں معلوم، اس لئے اگر ہم اوائل ۱۱۹۳ھ میں روانگی اور اواخر ۱۱۹۴ھ میں واپسی فرض کرلیں اور لکھنؤ سے کراچی اور وہاں سے بصرہ ہوتے ہوئے عراق پہونچے اور وہاں سے مشہد پھر وہاں سے براہ ہرات وکابل درہ خیبر سے گذر کر دہلی ہوتے ہوئے لکھنؤ تک کی واپسی کا دورانیہ چھ مہینہ بھی فرض کریں تو تحصیل کی مدت ڈیڑھ سال رہ جاتی ہے بادی النظر میں یہ مدت بہت کم معلوم ہوتی ہے جیسا کہ J.R.ICOLE نے اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ غفرانمآبؒ نے ہندوستان ہی میں معقولات و منقولات پر کامل عبور بلکہ استادانہ مہارت حاصل کرلی تھی

۔عراق وایران کے سفر کا ان پر جو اثر پڑا وہ یہ تھا کہ وہ جاتے وقت اخباریت کے حامی تھے لیکن عراق پہونچ کر دیکھا کہ وحید بہبہانی کی مسلسل علمی جدوجہد کے نتیجہ میں اصولی مسلک غالب آگیا تھا۔غفرانمآبؒ نے شیخ جعفر کاشف الغطاء سید علی طباطبائی (صاحب ریاض المسائل) اور سید مہدی شہرستانی اور سید مہدی بحرالعلوم جیسے اساطین علم واجتہاد سے استفادہ کیا ان سب سے اصولی واخباری نزاع پر مباحثہ کیا ، یہاں تک کہ خود وحید بہبہانی سے کسب فیض کیا اور کربلا کے کتب خانوں میں اس قضیہ سے متعلق جتنی کتابیں ملیں ان سب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس علمی تنقیح وتہذیب کے نتیجے میں اس امر کو تسلیم کر لیا کہ اصولی مسلک ہی صحیح وصواب ہے۔واپسی کے سفر میں مشہد مقدس میں سید مہدی اصفہانی نے ان کو اجازہ اجتہاد دیا اور ہندوستان آنے کے بعد جب غفرانمآبؒ نے اپنی مبسوط کتاب ''اساس الاصول'' اپنے اساتذہ کو بھیجی تو سید مہدی شہرستانی ، سید مہدی بحرالعلوم اور سید علی طباطبائی نے بھی گرانقدر اجازے مرحمت فرمائے۔ غفرانمآبؒ کی واپسی ہندوستان کے تقریباً ساڑھے پانچ سال بعد ملا محمد علی بادشاہ جیسے عالم عارف نے نواب سرفراز الدولہ کے لئے ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں نماز جمعہ کی اہمیت ظاہر کی اور غفرانمآبؒ کی زبردست مدح وثنا کرتے ہوئے اور ان کی فرشتہ سیرتی کا اعلان کر کے مجتہدین کربلائے معلیٰ اور مشہد مقدس سے اجازات جلیلہ حاصل کرنے اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہونے کا اقرار کیا اور آنجناب نیز ان کے دو شاگردوں ، سید مرتضیٰ اور مرزا محمد خلیل زائر کو امامت جمعہ کا اہل قرار دیا باب پنجم میں نواب آصف الدولہ سے التماس کیا کہ نماز جمعہ ان میں سے کسی ایک کی امامت میں ضرور قائم کریں۔اخباریت کے عروج کے زمانے میں نماز جمعہ کا قیام غیر معمولی شجاعت وبسالت کا متقاضی تھا۔ اسی درمیان میں مشہور صوفی سید علی اکبر مودودی چشتی نے (جو سرفراز الدولہ کے مرشد تھے) بھی اسکی زبردست تائید کی اور اس طرح ۲۷/ رجب ۱۲۰۰ھ (۲۶/مئی ۱۷۸۵ء) کو لکھنؤ میں مولانا سید دلدار علی (غفرانمآبؒ) کی امامت میں نماز جمعہ قائم ہوئی۔

نماز جمعہ کے ذریعہ ارشاد و ہدایت کا ایک زبردست پلیٹ فارم غفرانمآبؒ کے ہاتھ میں آیا۔اور آپ نے اپنے مواعظ حسنہ سے شیعہ قوم کے عقائد و اعمال کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالنا شروع کیا۔جب تصوف کی مخالفت شروع کی تو طبعاً سید علی اکبر مودودی سے اختلاف ہوا جسکی وجہ سے نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں عجیب کشا کش میں مبتلا ہو گئے۔لیکن انہوں نے شریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا وعظ و ارشاد کے نتیجہ میں لوگوں کے عادات و اطوار میں اصلاح ہوئی۔خود آصف الدولہ نے بھنگ نوشی ترک کر دی۔اوہام پرستی اور انواع واقسام کے توہمات سے شیعہ قوم کو آزادی دلانے کی کوشش کی۔شیخ سدّو کا بکرا، سید سالار غازی کا جھنڈا، بابا گنج شکر کا کونڈا ،شاہ مدار کی کندوری، شیخ فرید کی شیرینی ،عرس اور قوالیاں ان سب چیزوں کی لت چھڑائی۔قبروں پر چادریں، پنکھے اور جھنڈے چھڑانے کا سلسلہ بند کرایا۔

سرفراز الدولہ اگر شہنشاہ اکبر کی طرف نوشتہ خواند سے بے بہرہ تھے لیکن بہت ہی علم دوست اور حامیٔ مذہب تھے۔ انہوں نے فیض آباد اور فرخ آباد میں علمی درسگاہیں قائم کیں۔۔۔۔ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی کتابیں ایک وقیع کتب خانہ قائم کیا۔ اکبری دروازہ کے پاس ایک مسجد اور امام باڑہ تعمیر کیا اور آصفی امام باڑہ کے قریب ایک اور امام باڑہ بنوایا۔ غفرانمآبؒ کے حلقۂ درس سے ایسے ایسے جہابذہ فن نکلے جنکے نام آج تک دلوں کو نور اور ایمان کو استقامت بخشتے ہیں۔ مولانا سید احمد علی محمد آبادی مفتی سید محمد قلی کنتوری، مولانا سید یاد علی مفسر، مولانا حکم مرزا اسمٰعیل (مبلغ دکن)۔ مولانا سید عبدالعلی دیوکٹھیاوی، مولانا سید محمد عبادت امروہوی اور ان جیسے دیگر حضرات نے شمالی ہند بلکہ دکن میں بھی تشیع کے استحکام اور فروغ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مخالفین کے حملوں کے جوابات لکھے۔ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اگر آصف الدولہ کی کوششوں کے نتیجہ میں شیعوں کو تقیہ سے نجات نہ ملتی تو تحفۂ اثنا عشریہ کے مختلف ابواب اور مباحث کے وہ بیس جوابات جو اودھ میں لکھے گئے (جن میں سے بیشتر غفرانمآبؒ، سلطان العلماء رضوانمآبؒ، مفتی محمد قلی اور میر سید حامد حسین کے رشحات قلم تھے) وہ نہ لکھے جا سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تحفۃ کی اشاعت ۱۲۰۴ھ کے دو سال کے اندر ۱۲۰۶ھ میں شہید رابع حکیم مرزا محمد کامل نے اس کے جواب میں نزہہ اثنا عشریہ کی جلدیں لکھنی شروع کیں تو ان کو کس طرح زہر دیکر شہید کر دیا گیا۔ آصف الدولہ نے غفرانمآبؒ کی تحریک پر کربلا میں نہر بنوائی۔ اس نہر کا ذکر دوبارہ امجد علی شاہ (۱۲۵۸ھ ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۲ء ۱۸۴۷ء) کے دور میں ملتا ہے کہ بادشاہ نے سید العلماء سید حسین کی فرمائش پر ''مصارف نہر آصفی'' کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیے بھیجوائے۔ اس نہر کا ذکر مفتی محمد عباس کی ظل ممدود، علامہ ہندی، کی ''ورثۃ الانبیاء'' مرتضیٰ حسین فاضل کی مطلع انوار اور چودھری سبط محمد نقوی کی امجد علی شاہ میں آیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کے بیان سے پوری تصویر سامنے نہیں آتی اور راقم الحروف بھی عرصہ تک نہ سمجھ سکا کہ ان دونوں بیانات کو کیونکر باہم منطبق کیا جائے۔ یہ مشکل علمائے نجف کی تحریروں سے حل ہوئی۔ شیخ محمد رضا المظفر نے جواہر الکلام (طبع جدید) کے دیباچہ میں اور آغائے بزرگ تہرانی نے الکرام البررہ میں جو افادہ فرمایا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ نہر آصفی المسیب سے شروع ہو کر ۱۲۰۸ھ میں نجف تک پہونچی۔ کچھ عرصہ بعد پوری نہر ریت سے بھر گئی سید العلماء نے امجد علی شاہ سے کہکر ڈیڑھ لاکھ روپیہ شیخ محمد حسن (صاحب جواہر الکلام) کے پاس بھیجوایا کہ اس نہر کو صاف کرا کے پھر سے کھلوا دیں، کام شروع ہوا اور قریب بہ اختتام پہونچا تھا کہ ۱۲۶۶ھ میں صاحب جواہر الکلام کا انتقال ہو گیا اور کام رک گیا۔ صاحب جواہر کے ایک شاگرد سید اسد اللہ اصفہانی نے کچھ عرصہ کے بعد اس کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا انہوں نے اصفہان سے روپیہ اور انجینئر بھیجے۔ چھ سال کی محنت کے بعد ۱۲۸۸ھ میں نہر کا پانی نجف تک پہونچ گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ نہر بھی بالو اور ریتی سے بھر گئی۔ اور اب صرف اسکی داستان باقی رہ گئی ہے۔

کسی نے اصل نہر آصفی کی تاریخ ''صدقۂ جاریہ'' سے نکالی تھی لیکن اس میں فنی غلطی ہے کیونکہ جب تک ہائے مدور (ۃ) کو (ت) نہ فرض کیا جائے ۱۲۰۸ کا عدد نہیں نکلتا بہر حال آصف الدولہ کی اس دریا دلی کو سلاطین اودھ نے جاری رکھا اور نجف و کربلا وغیرہ کے مشاہدۂ مقدسہ کی تعمیر یا گنبد پر سونا چڑھانے یا مرمت کے لئے رقمیں دی جاتی رہیں۔ اور اس طرح شمالی ہند کے شیعہ معاشرہ کا قریبی تعلق ایران و عراق سے شیعہ سماج سے قائم ہو گیا جو بحمد اللہ آج تک جاری و ساری ہے۔

غفران مآبؒ

سید قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری

عالم تاریخ سازو صاحب صد انقلاب	حق کے ساتھی حق کے ہم آواز تھے غفرانمآبؒ
مذہبِ آلِ محمدؐ ہند میں پھیلا دیا	عالمانِ دہر میں ممتاز تھے غفرانمآبؒ

آیۃ اللہ العظمیٰ مجتہد اعظم سید دلدار علی غفرانمآبؒ

بارہویں صدی ہجری کے علمی آسمان کا تابناک سورج

خطیب پاکستان حجۃ الاسلام عماد العلماء سید محمد رضی مجتہد (بحیثیت مجتہد، وصی وجانشین نجم العلماء طاب ثراہ)

آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت السید دلدار علی غفرانمآبؒ جن کی ذات گرامی کی طرف لکھنؤ کا مشہور خاندان اجتہاد منسوب ہے ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۲ء قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی یوپی میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۷۰ سال کی عمر پاکر ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء میں اودھ کے دار السلطنت لکھنؤ میں وفات پائی۔

آپ کا سلسلہ نسب تیئس واسطوں سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ بنی عباس کے دور حکومت میں آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ ابوطالب حمزہ نے ایران کی طرف ہجرت کی اور شیراز میں مقیم رہے ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند سید محمد سبزوار میں متوطن ہوئے۔

ان ہی ابوالعلی محمد کے پوتے سید نجم الدین سالار مسعود غازی کے ہمراہ سردار لشکر بنکر ہندوستان آئے یہ ۹۹۹ء کے بعد کا زمانہ تھا جب محمد غزنوی کے سرزمین ہند پر حملے ہورہے تھے۔

سید نجم الدین ہی ہندوستان میں حضرت غفرانمآبؒ کے مورث اعلیٰ تھے۔ اسی نامور سردار لشکر نے ودیانگر کے مشہور قلعہ کو فتح کیا تھا اور اس جگہ کا نام جائے عیش قرار دیا جو بعد میں جائس کے نام سے مشہور ہوگیا کچھ عرصے کے بعد اسی نسل کے ایک بزرگ سید زکریا بن خضر نے قریب کی ایک ریاست پٹا کپور کو فتح کرکے اس قصبہ کا نام نصیر آباد رکھا سادات کا یہ گھرانہ جائس اور نصیر آباد میں علمی ضیاء پاشیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا جس کی شعاعیں اس بر صغیر میں دور دور تک پھیل رہی تھیں اس خاندان کے ایک بزرگ فرد سید عبد القادر کو اورنگ زیب نے ولی عہد کی تعلیم پر معین کیا تھا۔ یہ ولی عہد جو بعد میں بہادر شاہ بنے غفرانمآبؒ کے جد سید عبد القادر کی تربیت اور تعلیم کے مرہون منت تھے۔

مجتہد اعظم حضرت سید دلدار علیؒ کی ابتدائی تعلیم رواج کے مطابق مقامی طریقہ پر ہوئی دیہات کی زندگی کے لئے کھیتی باڑی کا مشغلہ بھی ضروری تھا اس مشغلہ نے آبادی کے باہر کھیتوں اور باغوں کی سنسان فضاؤں کو اس بچہ کا جو آئندہ غفرانمآبؒ بننے والا تھا مکتب فکر ونظر بنا دیا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے ایک کھیت پر مویشی لئے اپنے کاموں میں مشغول تھے چاروں طرف درختوں کے جھنڈ تھے اور یہ گھنی شاخوں کے سایہ میں کائنات کی گہرائیوں کا مطالعہ کررہے تھے یکایک ان ہی گہرائیوں سے ایک آواز

آئی دلدار علی لکھنؤ جاؤ اور تحصیل علم کو جاری رکھو۔

اسی غیبی آواز میں ایک عجیب انقلابی تاثیر تھی جو برق کی لہروں کی طرح اس بچہ کے دل میں دوڑ گئی اور سارا خاندان اس حیرت انگیز واقعہ سے بے انتہا متاثر ہوا۔ زراعت پیشہ ماں باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کی مفارقت گوارا کر لی اور لکھنؤ بھیجنے پر تیار ہو گئے۔ حضرت سید دلدار علی نے ابتدائی کتابیں رائے بریلی کے مولوی باب اللہ سے پڑھیں پھر سنڈیلہ پہونچ کر ملا حیدر علی کے درس میں شریک ہوئے اور فلسفہ کی تعلیم کو مکمل کیا۔

غربت و افلاس کا یہ عالم تھا کہ رات کو کتب بینی کے لئے اپنا ذاتی چراغ نہ تھا بلکہ سڑک کے سرکاری چراغ کی روشنی یا کسی دوکان کی ٹمٹماتی ہوئی شمع کی روشنی میں کتاب دیکھا کرتے تھے۔

اودھ کے مشہور حکمراں نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا لکھنؤ پہونچے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے حکومت اودھ کی مدد سے آپ نے عراق کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں آج کل کی سی سہولتیں نہ تھیں مہینوں میں اس صبر آزما سفر کی سختیاں جھیل کر غفرانمآبؒ نجف اشرف پہنچے اور تکمیل علوم میں مصروف ہو گئے۔ مشہور ہے کہ کئی ماہ میں بادبانی جہاز نے بصرہ کے قریب پہنچایا تھا کہ باد مخالف کے جھونکوں نے بمبئی کے ساحل پر پھر لا کھڑا کیا مگر وہ ہمت نہ ہارے اور سمندر کی طوفانی موجیں اور باد مخالف کے تھپیڑے ان کے ناقابل تسخیر عزم کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہو سکے اور دوسری کوشش میں آپ بصرہ پہونچ گئے یہ غفرانمآبؒ نہ تھے بلکہ فاطمی نور کا ایک ٹکڑا تھا جو خطہ ہند سے اپنے مرکز کی طرف پلٹ رہا تھا نجف اشرف پہنچ کر آپ نے وہاں کے اساطین دین اور محققین مذہب سے تحصیل علم اور تکمیل درس کا سلسلہ شروع کیا۔ نجف میں پانچ سال رہکر ہندوستان واپس ہوئے۔

علامہ کنتوری طاب ثراہ نے لکھا ہے کہ میرے ایک بزرگ حضرت غفرانمآبؒ کے ہمسفر تھے نجف اشرف میں شب قدر کے اعمال کئے اور ان کو بھی شریک کیا اور فرمایا کہ جب ایک عمود نور قبہ حضرت امیرالمومنینؑ سے آسمان تک ظاہر ہو تو وہی قبولیت دعا کا وقت ہے جب وہ وقت آیا اور نور ظاہر ہوا تو جناب غفرانمآبؒ نے دعا کی:

خداوند! اس صاحب قبر کا واسطہ میری اولاد سے قیامت تک علم دین نہ جائے بعض مقامات پر نجف اشرف کے بجائے روضہ حضرت امام حسینؑ کا ذکر ہے۔ سالہا سال کی جانفشانی اور غریب الوطنی کے بعد لکھنؤ واپس ہو گئے اور نواب آصف الدولہ کی استدعا پر لکھنؤ ہی میں قیام فرمایا آپ سلطنت کے سیاسیات سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور اپنی پوری زندگی ترویج دین اور تصنیف و تدریس میں صرف کردی۔

حضرت غفرانمآبؒ کی تصنیفات کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے ہر علم و فن میں آپ نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ حرف آخر ہے۔ حضرت موصوف نے علم کلام میں کتاب عماد الاسلام کی پانچ ضخیم مجلدات تحریر فرمائیں جن میں سے تین پہلی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

جلد الٰہیات میں حکمائے یونان، فلاسفہ اسلام اور محققین امت کے اقوال پر معرکہ آراء بحثیں درج ہیں جن کو دیکھ کر حضرت غفرانمآبؒ کے دریائے علم کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، علم کلام میں اس سے بہتر اور جامع کتاب اب تک اسلامی کتب خانوں میں نہیں پائی جاتی۔

لکھنؤ میں نماز جمعہ کی ابتداء آپ ہی کے دور سے ہوئی بلکہ ہندوستان بھر میں امامیہ طریقہ پر نماز جمعہ پڑھانے کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی تھی۔ نماز کے بعد آپ موعظہ بیان کرتے تھے۔ شرکت کے لئے عوام کے علاوہ وزراء سلطنت و حکام اور کبھی خود نواب آصف الدولہ حاکم اودھ بھی آتے تھے مگر غفرانمآبؒ نے احکام خدا کے بیان کرنے میں اور تبلیغ حق کے فرائض انجام دینے میں کبھی کسی شخص کی پرواہ نہ کی اور ہمیشہ وہی بات کی جس کو وہ حق سمجھتے تھے آپ کے موعظوں سے متاثر ہوکر خود نواب اودھ نے بھی بہت باتیں ترک کر دیں جن کے وہ عادی تھے۔ ان کی کوشش اور حکومت کے تعاون سے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم ہوا جس میں ہزاروں کتابیں موجود تھیں۔ ان کی مجلس درس سے سینکڑوں طلبہ فیضیاب ہوتے تھے۔

جناب غفرانمآبؒ نے مسلمانوں کی اخلاقی سطح کو بلند کرنے غلط اور خلاف اسلام رسموں اور اعتقادات کو مٹانے اور ان کی اصلاح کرنے میں جو قیمتی خدمات انجام دئے ان کی مثال صدیوں کی تاریخ میں بھی دستیاب نہیں ہوسکتی۔

وہ ایک فرد یا ایک تنہا معلّم نہ تھے بلکہ انکی گوناگوں شخصیت مختلف علمی، ثقافتی اور اصلاحی کمالات کا مرکز تھی وہ ایک چلتا پھرتا مدرسہ اور ایک متحرک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتے تھے جو تنہا اپنے شاگردوں کو تمام علوم کی تعلیم دیکر جید عالم بنا دیتے تھے۔ ان کے سارے شاگرد انکی سیرت اور کردار کا آئینہ تھے اور تبلیغ اسلام کے عظیم مقصد میں ان کے شریک تھے۔ برصغیر ہند کے گوشہ گوشہ میں انہوں نے اپنے شاگردوں کو اسلام کا پیغام پہونچانے کے لئے بھیجا اور جسے جہاں روانہ کر دیا وہ بغیر زاد و راحلہ اپنا سارا گھر بار چھوڑ کر روانہ ہوگیا اس طرح ملک کے بعید مقامات پر دور دراز جنگلوں میں عام شہری آبادیوں سے طولانی فاصلوں پر آپ کے مبلغین اور شاگرد ہتھیلی پر سر رکھکر پہونچ گئے اور پیغام الٰہی و دین محمدیؐ کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔

حضرت غفرانمآبؒ سید دلدار علی طاب ثراہ سر زمین ہند پر وہ پہلے مصلح تھے جنہوں نے اسلامی تبلیغ کے کام کو ایک تنظیمی روح عطا کی۔ عوام کے دلوں میں بادشاہوں، حاکموں اور رئیسوں کی خوشامد اور خوف کے بجائے دین کی عظمت اور خدا کا خوف اجاگر کیا اور ان کے کردار اور ذہن کو غیر اللہ کی پرستش اور ملحدانہ رسم و رواج کی گندگی سے پاک کر دیا وہ بارہویں صدی ہجری کے عظیم ترین مفکر، مصلح اور مجدد اعظم تھے۔ سید دلدار علی غفرانمآبؒ ان بے لوث اور پرہیزگار علماء کے سرخیل تھے جنہوں نے ہزاروں وسائل اور اسباب کے باوجود کبھی دنیاوی امارات و ریاست کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا انکا خیال تھا کہ نائب امام اور حاکم دین کے لئے رئیسوں اور حاکموں کی درباداری کرنا منصب

نیابت امامؑ کی توہین ہے اور ان مشغلوں میں کمی بلکہ ان کی بربادی اور تباہی کا باعث ہے جو اس عہدہ کے فرائض میں داخل ہے حضرت غفرانمآبؒ نے نواب آصف الدولہ کا آخری دور اور نواب سعادت علی خان کی پوری زندگی دیکھی دربار داریاں اور سیاسی جوڑ توڑ قوموں کے کردار میں انقلاب پیدا کر دیتے ہیں مگر اس عالم ربانی کی سیرت اور ان کا پاک ضمیر سیاسی اتار چڑھاؤ اور سیم و زر کی بجلیوں سے متاثر نہ کیا جا سکا ان سے دربار شاہی میں بھی بارہا لوگوں کے ساتھ علمی بحثیں ہوئیں مگر حضرت سید دلدار علیؒ نے کبھی کسی مسئلہ کا حکومت سے ڈر کر جواب نہ دیا اور جو حق بات تھی وہی کہی وہ کبھی بادشاہوں سے ڈرے اور نہ کبھی حاشیہ نشینوں سے مرعوب ہوئے ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے کئی لاکھ روپئے امور خیر میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اودھ کے وزیر اعظم سرفراز الدولہ نے یہ رقم حضرت غفرانمآبؒ کو دلوانا چاہی تا کہ ان کے ہاتھوں صرف کی جائے۔

وزیر اعظم □ کی تحریک پر نواب آصف الدولہ نے علامہؒ کو اپنے پاس بلوا کر مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس رقم سے کربلا و نجف کے درمیان ایک نہر بنوا دیجئے وہاں کے لوگوں کو پانی کی بہت تکلیف ہے اس طرح کربلا کی نہر آصفی حضرت غفرانمآبؒ کے مشورہ کے مطابق بنائی گئی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نواب آصف الدولہ نے وزیر اعظم سے کہا کہ میں اپنے ولی عہد کی شادی کسی سید زادی کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں سرفراز الدولہ نے رائے دی کہ حضرت غفرانمآب کی صاحبزادی سے بہتر آپ کے لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کوئی دوسرا رشتہ نہیں ہوسکتا۔ بادشاہ کو یہ رائے بہت پسند آئی وزیر اعظم خوشی خوشی حضرت غفرانمآبؒ کی خدمت میں گئے اور انہیں یقین تھا کہ وہ بھی اس خبر سے خوشی کے مارے پھولے نہ سمائیں گے مگر وزیر اعظم کی حیرت کی حد نہ رہی جب غفرانمآبؒ نے سخت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اہل دنیا سے ہمارا پیوند مناسب نہیں۔ وزیر اعظم نے عرض کی کہ اب تو میں وعدہ کر چکا ہوں اور نواب بھی اس رشتہ کو پسند کر چکے ہیں یہ سن کر حضرت غفرانمآبؒ نے فوراً ایک سانڈنی سوار اسی وقت نصیر آباد روانہ کیا اور اپنے ایک قریبی عزیز کے لڑکے کو بلوا کر دوسرے روز ہی صاحبزادی کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا اور جب دربار شاہی سے پیام آیا تو کہلا دیا کہ لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے چپہ چپہ پر حضرت غفرانمآبؒ کی دینی کاوشوں کا احسان عظیم ہے اور آج تک ان کی اولاد بھی ان کی مبارک و مسعود دعا کے مطابق دین خدا کی خدمت و ترویج و تبلیغ میں مصروف ہے۔ لکھنؤ کی مشہور ترین امام بارگاہ جو حسینیۂ غفرانمآبؒ کے نام سے مشہور ہے آپ کا مدفن ہے اس امام بارگاہ میں سینکڑوں علماء و فقہاء دفن ہیں اور ہر شخص اس خطۂ پاک میں دفن ہونا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ اس امام بارگاہ کو حضرت غفرانمآبؒ ہی نے تعمیر کرایا تھا۔

خاندان اجتہاد

امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی مرحوم مصنف کتب متعددہ ومترجم بحار الانوار ومعارف الملۃ وغیرہ

لکھنؤ اے جلوہ گاہِ آفتابِ اجتہاد سایہ افگن تجھ پہ تھا اک دن سحابِ اجتہاد
تھا مکیں تجھ میں وہ فردِ انتخابِ اجتہاد وا کیا ہندوستاں میں جس نے بابِ اجتہاد
ناشر الاسلام کہف المسلمیں سردارِ دیں
غیثِ مدرارِ علومِ اوّلین و آخریں

حامی الملہ ،ملاذ الخلق ،کہف الاذکیا ماحی البدعہ ،سراج الارتقا،غوث الوریٰ
محیی السُّنۃ ظہیر الشّرع شمس الاعتلا آیۃ الرّحمہ ،کتاب الفضل تفسیر الہدیٰ
حجۃ الاسلام ،رکن الدیں ،ضیاء النّیّرین
قبلۃ الحق ،کعبۃ الایماں وجیہ السماٰ تین

اے کمالات انتساب ،اے حضرتِ غفرانمآبؒ[1] اے دلیلِ حق نما ،اے مقتدائے شیخ وشاب
اے فروغِ بزمِ دیں اے ہادیٔ راہ صواب اے فلک درگاہ ،اے قائم مقامِ بوتراب
تیرے خامہ سے ہوئی تصویر ایماں کی جلا
مرتبہ خونِ شہیداں کا سیاہی کو ملا

انبیاء کا تو ہے وارث ،اولیا کا ہم وقار اتقیا کا سر گروہ اور اصفیا کا تاجدار
خضر اصحاب یمیں ،جنت مکاں ،قدسی شعار ذیشرف ،ذی مرتبت ،ذی منزلت ،ذی اقتدار
فخر آبا ،نازش قوم ،افتخار اجداد کا
وجہ صد عزّ و شرف جائس نصیر آباد کا

میر نجم[2] الدیں بہارِ بوستانِ سبزوار تیرے اجدادِ مکرم میں ہیں اے والا تبار
غزنوی فرماں رواؤں میں ہے انکا بھی شمار تھا جو سر میں نصرتِ مسعودِ[3] غازی کا خمار
ہند میں آکر مسخّر کر لیا وڈّیا نگر
نام رکھا جائے عیش اسکے مناظر دیکھ کر

رفتہ رفتہ نام جائے عیش کا ،جائس ہوا　لطفِ حق اس سرزمینِ پاک پر ہوتا رہا
ذرہ ذرہ کیمیا ساز کمال و فضل تھا　گر خذف بھی مل گیا انمیں زر خالص بنا
تجھ سے منظور خدا کا جب ہو جائس نانیھال
کیوں نہ پہنچے تابہ ہفت اقلیم پھر صیت کمال
اپنی حالت کو ہر ایک ذرّہ بدلتا ہی رہا　فضل حق سے فضل کے سانچہ میں ڈھلتا ہی رہا
آفتاب علم بن بن کر نکلتا ہی رہا　رشک سے دل نیّر اعظم کا جلتا ہی رہا
معرفت افروز ہے ،عرفاں تابوں کی ضیا
دل فروز خلق ہے ان آفتابوں کی ضیا
حامل بار شریعت خلق میں وہ ماں ہوئی　جسکی چشم لطف تیری تربیت ساماں ہوئی
جسکی جوئے شیر،رشک چشمۂ حیواں ہوئی　گود جسکی ہمکنار رحمت یزداں ہوئی
اس صدف کا تو گہر ہے جس سے جائس کو شرف
پاک جیسا بطن ،پاکیزہ ہے ویسا ہی خلف
گیارہ سو چھاسٹھ سن ہجری میں پیدائش تیری　طالع ظلمت سرائے ہند کو چمکا گئی
تیرے مولد سے اک ایسی روشنی ساطع ہوئی　جگمگا اٹھی زمیں جس سے نصیر آباد کی
انجمن افروز عالم تو شب جمعہ ہوا
چھاؤں میں تاروں کی بزم آرا ہوا شمس الضحیٰ
جوہر ذاتی ترا خود عزت افزا ہے ترا　جس پہ رشک اہل شرف کو ہو وہ رتبہ ہے ترا
منتخب سارے زمانے میں گھرانا ہے ترا　حیدر صفدر کا پوتا جدّ اعلیٰ ہے ترا
حضرت خیر النساء کی آنکھ کا تارا ہے تو
مرتضیٰ کا لخت دل ،اللہ کا پیارا ہے تو
ایک سے ہے ایک نام آور تری اولاد میں　فرد ہر اک فضل و مجد و علم و استعداد میں
میر مجلس لطف رب سے مجلس ارشاد میں　صدر محفل فضل حق سے محفل زہّاد میں
آگیا کوئی حضانۃ (۴) میں امام عصر کی
کوئی بتلایا گیا من جانب اللہ جنتی (۵)

کعبۂ دیں ، رکن ملت حضرت رضواں مآب حجۃ الاسلام سید مہدی[۶] عرفاں مآب
آسمان مکرمت سید حسین[۷] احساں مآب مولوی بندہ[۸] حسین ذیشرف ایقاں مآب

سر کسی ذیجاہ کا شایاں برائے تاج[۹] علم
تھا کوئی صدر الشریعت ہادی[۱۰] منہاج علم

فاضل علّام سید مرتضیٰ[۱۱] سید تقی[۱۲] میر[۱۳] آغا آفتاب اوج عزو برتری
شمع بزم اصفیاء پرہیز گار و متقی سید ابراہیم[۱۴] گلچین ریاض احمدی

بحر علم و فضل علّن[۱۵] صاحب کوثر نوال
کنز حلم و عقل بچھن[۱۶] صاحب بوذر خصال

مایہ دار شرع مُنّن[۱۷] صاحب عالی وقار قبلۂ اہل یقیں سید نقی[۱۸] ذی اقتدار
شمس علم و کہف دیں ابن حسن[۱۹] قدسی شعار وہ سمی[۲۰] حجت عاشر سلف کی یادگار

وقف دل سے اہل عالم کی ہدایت کے لئے
ہادی راہ صواب افراد امت کے لئے

بزم آرا اے جہاں تو صرف انہتّر سال تھا پھر بھی محکم کر گیا دین پیمبرؐ کی بنا
تیرے علم عقلی و نقلی کا اندازہ ہو کیا قریہ قریہ شہر شہر اس دھن میں سرگرداں رہا

کربلا وکاظمین و سامرہ ،طوس و نجف
مدرسہ تیرا ہے ان میں سے ہر اک بیت الشرف

وہ علی الاعلان دورادور صہبائے حجاز شیعیان ہند کی پہلی جماعت کی نماز
جس سے عہد آصف الدولہ کو ہے خاص امتیاز کارنامہ تیری رندیّت کا ہے اے پاکباز

بارہ سو سنہ ۱۲۰۰ھ ہجری رجب کی تیرہویں جمعہ کا دن
تیری وہ سر مستیاں تیرا وہ جوش انگیز سن

بارہ سو پینتیس ہجری کا مہینہ ساتواں کر چکا جب ختم دن اٹھارہواں سویا جہاں
خلق میں انیسویں شب آئی با آہ و فغاں لے گئی تجھ کو جگا کر سوئے گلزار جناں

پھٹ پڑا کوہ الم ،سر پر اک آفت آگئی
لکھنؤ کیا ہند میں صبح قیامت آگئی

اے مرے غفراں مآب، اے میرے دلدار علی　　　والہ و شیدائے احمد عاشق زار علی
خامہ ٔ شمشیر جو ہر سے مدد گار علی　　　نوک خامہ تھی دم تیغ شرر بار علی
دین کی تجدید کی، اسلام کی تائید کی
اے جزاک اللہ کیا ترویج کی توحید کی

تیرا جلوہ ڈھونڈتی تھی ہند کی تیرہ فضا　　　ہند کا تاریک مطلع تونے روشن کردیا
تونے فرمائی حسینی انجمن آراستہ　　　تو ہوا بانی عزائے سید مظلومؑ کا
بن گیا تو خود شہید کربلا کا سوگوار
اہل ایماں کو رلایا صورت ابر بہار

روشن اس عالم میں کی شمع عزا صد مرحبا　　　جب حسینی کارنامہ تھا جہاں بھولا ہوا
کربلا کا واقعہ اک قصہ ٔ پارینہ تھا　　　لوگ اسرار شہادت سے بھی تھے نا آشنا
تونے سمجھی قدر خون ناحق معصوم کی
تونے ترویج عزائے سید مظلومؑ کی

فدیہ حق ،سبط پیغمبرؐ حسینؑ ابن علیؑ　　　از سر نو جسنے بخشی دین حق کو زندگی
ہندوالوں کی نظر میں اسکی وقعت کچھ نہ تھی　　　معرفت کی شمع تونے انجمن افروز کی
تونے سمجھے ماتم سلطانِ دیں کے فائدے
پائے مضمر اسمیں ارباب یقیں کے فائدے

سب کو شیدائے امام انس وجاں فرما دیا　　　ملک دل میں سکّہ ٔ عرفاں رواں فرما دیا
مدتوں سے جو نہاں تھا وہ عیاں فرما دیا　　　راز مخصوص بقائے دیں بیاں فرما دیا
طاعت حق سمجھی لوگوں نے اطاعت شاہ کی
یاد فرزند پیمبرؐ ٹھہری یاد اللہ کی

تونے اپنے جانشین سے بہر ترویج عزا　　　کی وصیت اے عزادار شہید کربلا
اس وصیت میں کچھ ایسا زور تھا تاکید کا　　　جانشینوں میں ترے جاری ہے اسکا سلسلہ
تیری سعی بارآور مستحق داد ہے
سب کے لب پر نام شہ کا ،دل میں شہ کی یاد ہے

صاحب شان بلند و رتبہ ٔ والا حسینؑ — زینت عرش بریں و عالم بالا حسینؑ
مصطفیٰؐ اور مرتضیٰؑ کا گیسووں والا حسینؑ — سیدہؑ سی فاقہ کش کی گود کا پالا حسینؑ

موت سے بد تر ہے جینا کچھ اگر حاصل نہیں
الفت شبیرؑ جس دل میں نہیں وہ دل نہیں

تجھ کو تھی اک خاص ارادت حضرت شبیرؑ سے — کشتۂ تیر و سناں و نیزہ و شمشیر سے
سید خونیں کفن سے، سرور دلگیر سے — فاطمہؑ زہرا کے ماہ کامل التنویر سے

آیت عشق حسینی ہے، حسینیہ ترا
مرکز جذب حقیقی ہے حسینیہ ترا

اس حسینیہ کا رتبہ ہو نہیں سکتا بیاں — کربلائے ہند ہے یہ خطہ ٔ جنت نشاں
بعد مردن مل گئی دو گز زمیں جسکو یہاں — فی الحقیقت پا گیا گویا وہ عمر جاوداں

اسکے دامن میں نہاں وہ گوہر شہوار ہیں
جنکے دل زیر زمیں بھی مطلع انوار ہیں

گو ہے آغوش حسینیہ میں تو رونق فزا — دل شکستہ پھر بھی ہے یہ تیرے غم کا مبتلا
دل بہت مشتاق ہے تیری نگاہ لطف کا — گو یہ بے حسن تھا مگر پھر بھی کلیجہ پھٹ گیا

ٹوٹی دیواریں شکستہ در ہیں اک تصویر غم
بے ترے یہ حال اسکا ہو گیا تیری قسم

چادر گل قبر اطہر پر چڑھاتا ہوں حضور — گل بھی وہ گل جن کے جلووں سے خجل رخسار حور
خون دل پانی ہوا جب تو ہوا ان کا ظہور — جتنے گل ہیں اتنے دل ہیں دل وہ ساطع جن سے نور

لالہ زار فکر کے جلوے ہیں یا روشن چراغ
جلوہ زار نظم کے غنچے ہیں یا پھولوں کا باغ

آستاں بوسی کی حسرت کھینچ لائی ہے مجھے — جنبش جذب عقیدت کھینچ لائی ہے مجھے
جوشش خون ارادت کھینچ لائی ہے مجھے — لکھنؤ تک کوئی قوت کھینچ لائی ہے مجھے

کہہ خدا سے دن پھریں جائس نصیرآباد کے
اب تو پانی پھر رہا ہے نام پر اجداد کے

تیری مسجد اور حسینیہ نصیر آباد میں اب زبان حال سے ہیں رات دن فریاد میں
کیا کوئی ایسا نہیں ہے قوم کی افراد میں کچھ سہارا دے جو اُن دونوں کو اس افتاد میں
احتیاج ان کو فقط ہے اک نگاہ مہر کی
رخنہ بندی ہو تو پھر کیسی شکستہ خاطری

کر دیا تونے لوجہ اللہ اثبات صلوٰۃ مسجد و محراب و منبر تیرے آیات صلوٰۃ
یاد کرتے ہیں تجھے یہ سب مقامات صلوٰۃ ڈھونڈھ کر تجھ کو چلے جاتے ہیں اوقات صلوٰۃ
دلنشیں اب تک تری تسبیح کے انداز ہیں
مسجد و محراب و منبر گوش بر آواز ہیں

ہیں یہ سب مشتاق اسی آواز خوش انداز کے بند کس پردے میں ہیں نغمے تری آواز کے
کیوں نہیں کھلتے ہیں پردے ساز ایماں ساز کے محو ہی رکھیں گے کیا جلوے نیاز وناز کے
اک نظر کر تو سہی اس انجمن کے رنگ پر
دیکھ تو ہر شمع کی ہے ضوفشاں کس ڈھنگ پر

قابل عبرت ہیں رنگا رنگ بزم آرائیاں دل سے لب تک آ کے رہ جاتا ہے انداز فغاں
کہہ دے جو یہ واقعہ لاؤں کہاں سے وہ زباں مجھ سے کہتے بن نہیں پڑتی یہ غم کی داستاں
کی نہ تیری قدر کچھ بھی قوم کے افراد نے
ایک دن بھی انکو چونکایا نہ تیری یاد نے

کیا ابھی تک قوم ناواقف ہے تیری شان سے دیں کی خدمت تونے کی ہے بیشتر امکان سے
غیر ممکن ہے سبکدوشی ترے احسان سے مجھ سے گر پوچھے کوئی تو میں کہوں ایمان سے
تھا وہ اک روشنگرِ آئینہ دین مبیں
تھا وہ اک صورت طرازِ رسم و آئین مبیں

کام وہ اسنے کیا جس سے ہوئی دیں کی بقا آج اسی احقاق حق کا دل پہ سکّہ ہے جما

طاقت الحاد اسکے جوش دل کی گھٹ گئی
شمع دیں کے نور سے بدعت کی ظلمت چھٹ گئی

سب کو اس نے بادۂ عرفاں کا متوالا کیا   ہے وہی پیر مغاں ساغر کشان ہند کا
جتنے ساقی ہیں پہونچتا ہے اسی تک سلسلہ   مے وہی ہے، گو ہے ہر ساقی کا میخانہ جدا
رند جتنے ہیں اسی کے نام کے ہیں جرعہ نوش
یاد کرتے ہیں اسی کو جب کبھی آتا ہے جوش

درحقیقت اک ملک وہ پیکر انساں میں تھا   دور ظلمانی میں تھا بدر الدجیٰ شمس الھدیٰ
ذات اسکی تھی عجب نعمت پئے خلق خدا   رات دم محو خیال حق، فنا فی الاتقا
جسکی ساری عمر قومی خدمتوں میں کٹ گئی
قوم کے نزدیک گویا ساعتوں میں کٹ گئی

مرنے والا ہم پہ احساں کرتے کرتے ماہ وسال   سو رہا تربت میں روشن کرکے آیات کمال
اک صدی گذری مگر گذرا نہ دل میں یہ خیال   کوئی اسکے نام کی ہو یادگار بے مثال
خلق بھی جانے کہ کوئی ہادی الاسلام تھا
قوم بھی سمجھے کہ کوئی واجب الاکرام تھا

علم کے طالب وظیفے پائیں اسکے نام سے   روز افزوں کیف مستوں کا ہو دور جام سے
نشۂ چھڑھنے میں بھی رکھیں کام اپنے کام سے   تشنگان شوق چھک جائیں مئے اسلام سے
پیروی اس خضر منزل کی اگر ہوتی رہے
میکدے کی راہ سب کی رہگذر ہوتی رہے

آج ان اقوام کا ہے زندہ قوموں میں شمار   متفق ہو کر کیا کرتے ہیں جو آغاز کار
یکدلی رکھتے ہیں جو انجام تک اپنا شعار   اپنے ہر ایک رہنما کا جو بڑھاتے ہیں وقار
بعد مدت کرتے ہیں صورت بقائے نام کی
آئینہ ہوتی ہے جس سے قوم کی روشندلی

اک ہماری قوم ہے جسکی انوکھی ہر ادا   مختلف جسکی روش، مسلک زمانے سے جدا
ہند میں مضبوط کی، ایمان کی جس نے بنا   اس سے ایسی سست پیمانی کہ ہو خون وفا
آج اسکے کارناموں سے کوئی واقف نہیں
کوئی اسکی ذات حق آگاہ کا عارف نہیں

کس مپرسی کے شکنجے میں کتابیں ہیں وہ آہ   ماند جنکے سامنے لوح بیاض مہر و ماہ
ہر خطا مسطر ہے گویا ایک دینی شاہراہ   قوم اے قوم اسطرف بھی اک توجہ کی نگاہ

کیوں ہر اک تصنیف کو تقویم پارینہ سمجھ
ہو جو کچھ ذوق نظر حکمت کا گنجینہ سمجھ

بالعموم اس سے ابھی تک ہے زمانہ بے خبر   آئینہ ہو جائیں اسکے واقعات عمر اگر
قدر کی نظروں سے دیکھے اسکو ہر فرد بشر   کچھ نہ کچھ ہو دیکھنے والوں کے دل پر بھی اثر

تو اگر چاہے تو پھر یہ کام کیا دشوار ہے
تیری عالی ہمتی کی اک نظر درکار ہے

انہماک اس میں بہت علاّمہ ٔہندی[۲۱] کو ہے   تو بھی پی لے اک ذرا سی یہ حیات افروز مے
محو تا ہو جائے تیرے دل سے بھی ہر ایک شئے   نشہ میں اس مے کے سارے مرحلے ہو جائیں طے

دامن ساقی کو بھر دے درہم و دینار سے
دست ہمت کم نہ ٹھہرے ابر گوہر بار سے

آیۃ اللہ قدوۂ اہل صفا آقا[۲۲] حسن   عالم دیں، فاضل کامل ، فقیہ مؤتمن
علم و فضل و زہد و تقویٰ جسکا مشہور زمن   ہند کی دار الشریعت میں ہے شمع انجمن

یہ بھی کوشاں ہے کہ تصنیفات شایع ہوں کہیں
ہائے یہ انمول موتی بھی نہ ضایع ہوں کہیں

مولوی سید علی[۲۳] داور گل گلزار فضل   گوہر دریائے عزت رونق بازار فضل
دین داور کا مبلغ کاشف اسرار فضل   نیر برج شرف مہر تجلی بار فضل

کام کرتا ہے زباں و خامہ سے تبلیغ کا
مرحبا اس ہمت مردانہ پر صد مرحبا

عمدۃ الاخیار فخر دودماں کلب حسین[۲۴]   مورد لطف و عطائے فاتح بدر و حنین
پست جس کے اوج ایمانی سے فرفرقدین   جسکے دم سے مجلس ارشاد کی ہے زیب و زین

آفتاب ضوفشان دین ختم المرسلیں
آسمان علم و حلم و فضل و عرفان و یقیں

نصرت دین پیمبر میں مددگار حسینؑ ذاکر مظلومیٔ شبیر غمخوار حسینؑ
فی الحقیقت جان و دل سے ہے پرستار حسینؑ یہ بھی ہے منجملہ اعوان و انصار حسینؑ
علم کے جلووں سے رشک آسماں اسکی زمیں
کوئی اسکا مثل ڈھونڈھے بھی نظر آتا نہیں

حجۃ الاسلام، کہف المسلمیں ۔سبط حسین(۲۵) خضر ملّت، شمع ایماں، رکن دیں سبط حسین
شمس عرفاں، پیشوائے عارفیں سبط حسین ساقیٔ سرچشمۂ عین الیقیں سبط حسین
رونق بزم شریعت آفتاب اجتہاد
روح اصلاح و صلاح وجان ارشاد ورشاد

انحصار اعلمیت ہے اسی کی ذات پر آپ اپنی مثل ہے یہ صاحب فضل و ہنر
علم و حکمت کا یہ ہے وہ آفتاب جلوہ گر تارے جسکے سامنے بے نور آتے ہیں نظر
بحر بے ساحل، علوم عقلی و نقلی میں طاق
شہرہ اسکے علم کا ہندوستاں سے تا عراق

اپنے اجداد گرامی کی طرح بے ارتیاب یہ بھی ہے روشن ضمیر و ہادی راہ صواب
اسکے استدلال سے بھی ہے مخالف لا جواب باب شہر علم سے یہ بھی ہوا ہے فیضیاب
کیوں نہ ہو اندازہ مشکل اسکی استعداد کا
فارغ التحصیل سترہویں برس یہ ہو گیا

ہیں مفید صاحبان علم افادات اسکے بھی مایہ ناز جہاں علم افادات اسکے بھی
موجب صد عز و شان علم افادات اسکے بھی کائنات آسمان علم افادات اسکے بھی
جلوہ گر الفاظ سے تنویر مہر و ماہ ہے
ہر تجلی رہبر منزل ہے خضر راہ ہے

منبع فضل و کرامت مجمع اوصاف ہے اسکا دامان شرف بھی صاف اور شفاف ہے
یہ وحید العصر ہے، یہ خاتم الاسلاف ہے یہ فرید الدہر ہے یہ قدوۃ الاخلاف ہے
واجب الاکرام ہے، شائستۂ تعریف ہے
بیشک اسکی ذات مستغنی عن التوصیف ہے

یہ وہ مہر مبین آسمان اجتہاد	جسکی تنویروں سے روشن ہے جہان اجتہاد
یہ ہے وہ چشم جراغ خاندان اجتہاد	جسنے روشن کر دیا نام و نشان اجتہاد
اسکے دم سے زیب و زین مسند غفراں مآبؒ
اسکی محفل ہے جواب محفل رضواں مآبؒ

جس پہ نازش ہے شرف کو وہ شرف والا یہ ہے	فاضلین و کاملین دہر میں یکتا یہ ہے
احمدی اخلاق کا آئینہ سر تا یہ ہے	مختصر یہ ہے کہ اچھوں سے بہت اچھا یہ ہے
کھول دیتا ہے بہ آسانی یہ عقدے علم کے
مشکلیں رہتی نہیں ہیں مشکلیں اسکے لئے

ہے جو فکر یادگار حضرت غفرانمآبؒ	اسکا دل ہے سوگوار حضرت غفرانمآب
رنگ لائے لالہ زار حضرت غفرانمآبؒ	عام ہو فیض بہار حضرت غفرانمآب
وہ کتابیں جلد شایع ہوں ہدایت کے لئے
جو بصیرت بخش ہیں اہل بصارت کے لئے

بس بس اے قدسیؔ زیادہ عرض حال اچھا نہیں	جوش ہمت کا اثر تونے ابھی دیکھا نہیں
قوم اپنے ذیشرف ہادی سے بے پروا نہیں	آج اسکے قبضۂ قدرت میں آخر کیا نہیں
اتنی حاجت تھی کہ کوئی یاد دلوادے اسے
کام یہ پورا ہوا تیرے صلائے عام سے

حواشی

(۱) مجدد الشریعت محیی الملت آیۃ اللہ العظمٰی سید دلدار علی نقوی غفران مآبؒ، (۲) فقیہ مؤتمن نواب نجم الملک علامہ سید نجم الدین سبزواری (فاتح جائس)، (۳) سید سالار مسعود غازی مدفون بہ بہرائچ، (۴) قبلہ و کعبہ سلطان العلماء آیۃ اللہ العظمٰی سید محمد نقوی رضوان مآبؒ ابن حضرت غفران مآبؒ، (۵) آیۃ اللہ سید حسن نقوی مجتہد ابن حضرت غفران مآب، (۶) آیۃ اللہ سید مہدی نقوی مجتہد ابن حضرت غفرانمآبؒ، (۷) قبلہ و کعبہ سید العلماء آیۃ اللہ العظمٰی سید حسین علیین مکان ابن حضرت غفرانمآبؒ، (۸) ملک العلماء آیۃ اللہ العظمٰی سید بندہ حسین نقوی مغفرت مآبؒ ابن حضرت رضوان مآبؒ، (۹) تاج العلماء آیۃ اللہ العظمٰی علامہ سید علی محمد نقوی طاب ثراہ ابن قبلہ و کعبہ سلطان العلماءؒ، (۱۰) صدر الشریعت عمدۃ العلماء آیۃ اللہ العظمٰی سید محمد ہادی ابن آیۃ اللہ سید مہدیؒ، (۱۱) خلاصۃ العلماء رئیس المجتہدین آیۃ اللہ العظمٰی سید مرتضٰی ابن قبلہ و کعبہ حضرت رضوان مآبؒ، (۱۲) افضل المجتہدین فخر المدرسین ممتاز العلماء آیۃ اللہ العظمٰی سید محمد تقی نقوی جنت مآبؒ ابن قبلہ

وکعبہ سید العلماءؒ علیین مکان، (۱۳) فقیہ اہلبیت عماد العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد مصطفی ''میر آغا صاحب'' علیین مآبؒ ابن عمدۃ العلماء صدر الشریعتؒ، (۱۴) سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج سید محمد ابراہیم نقوی فردوس مکانؒ ابن جنت مآبؒ، (۱۵) بحر العلوم آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد حسین نقوی ابن ملک العلماء مغفرت مآبؒ، (۱۶) ملاذ العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن نقوی ابن ملک العلماء مغفرت مآبؒ، (۱۷) ممتاز العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن نقوی مجتہد ابن سید العلماء فردوس مکانؒ، (۱۸) زبدۃ العلماء معین المومنین آیۃ اللہ سید علی نقی نقوی مجتہد ابن قبلہ وکعبہ سید العلماء علیین مکانؒ، (۱۹) کہف العلماء آیۃ اللہ سید ابن حسن نقوی مجتہد ابن میر حسن رضا، (۲۰) سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید علی نقی نقوی ابن ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحب مجتہد، (۲۱) حکیم الامت علامۂ ہندی آیۃ اللہ العظمیٰ سید احمد نقوی ابن سید العلماء فردوس مکانؒ، (۲۲) قدوۃ العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید کلب صادق نقوی المعروف بہ مولانا سید آقا حسن (بانی آل انڈیا شیعہ کانفرنس) ابن مولانا سید کلب عابد نقوی جائسی، (۲۳) لسان الواعظین ابو البلاغہ مولانا سید علی داور (مدیر ماہنامہ ''مبلّغ'') ابن مولانا سید علی اکبر ابن سلطان العلماء، (۲۴) ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین نقوی ابن قدوۃ العلماءؒ، (۲۵) اعلم العلماء سید الحکماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید سبط حسین نقوی ابن مولانا سید رمضان علی نقوی جائسی۔

نوٹ: ۱۹/رجب المرجب ۱۳۳۶ھ کو حسینیۂ غفران مآبؒ لکھنؤ میں حضرت غفران مآبؒ کی صد سالہ یادگار کی عظیم الشان مجلس میں مصنف نے یہ مسدس پڑھا تھا۔

ناخدائے ملت

سراج الشعراء مولوی سید آل محمد نقوی مہرؔ جائسی

اے نصیر الملۃ والدین اے غفران مآب
آسمانِ علم حقہ کے منور آفتاب
گوہر شہوارِ دریائے ہدایت بالیقین
پیشوائے قوم وملت عالمِ دین مبین
رہنمائے راہ حق سارے جہاں میں بے نظیر
مشعلِ راہ صداقت باصفا روشن ضمیر
جدو آباء اور نصیرآباد وجائس کے شرف
سید السادات بحرِ علم کے درِّ نجف
نائب اس کے جس کے زیر حکم ہوں گے شش جہت
آفتاب علم وبدر آسمانِ معرفت
مشرکوں کے واسطے تیرا قلم سیف قضا
روشنائی بہتر از خونِ شہیدان وفا
المدد اے ناخدائے ملک وملت المدد
سخت طوفاں میں جہاز قوم پر ہے وقتِ بد

جناب رضوان مآب سلطان العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ مولانا السید محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ

سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

نام ونسب

جناب غفرانمآبؒ مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے سب سے بڑے بیٹے سید محمد نام اور سلطان العلماء خطاب تھا۔عوام میں بڑے قبلہ وکعبہ کے الفاظ سے مشہور تھے اور انتقال کے بعد جناب رضوان مآب کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ولادت

غفرانمآبؒ ۱۱۹۶ھ میں تحصیل علم کے بعد ہندوستان واپس ہوئے تو ان کی عمر اس وقت تیس سال کی تھی۔اس کے پہلے تحصیل علم میں انہماک کی بنا پر غالباً انہوں نے ازدواجی ذمہ داریوں میں گرفتار ہونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔اب وہاں سے مراجعت کے بعد اپنے وطن نصیر آباد کے اشراف میں شادی ہوئی جسکے بعد آپ نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر لکھنؤ میں قیام فرمایا تو یہاں ۱۷/ماہ صفر ۱۱۹۹ھ کو سب سے پہلے فرزند کی ولادت ہوئی جسکا ہندوستان کی اس نسل میں رہنمایان دین کی پہلی فرد سمجھتے ہوئے با معرفت باپ نے سلسلۂ چہاردہ معصومینؑ کی پہلی فرد حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفیٰؐ کے اسم مقدس سے برکت حاصل کرنے کے لئے محمد نام رکھا چنانچہ اس کے بعد اپنی اولاد کے نام بترتیب علی اور حسن رکھتے رہے جس کا اظہار خود جناب غفرانمآبؒ کی زبانی ایک خواب کے ذیل میں ہوا ہے جس کا تذکرہ جناب مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب اوراق الذہب میں جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان طاب ثراہ کے حالات میں کیا ہے۔

نشوونما

جناب سلطان العلماء کی نشونما جناب غفرانمآبؒ کی آغوش تربیت میں اس ماحول میں ہوئی جب کہ ہندوستان میں مذہب جعفری کی اعلانیہ نشوونما کا آغاز اور بدعتوں کا استیصال ہو رہا تھا۔۱۱۹۹ھ میں سلطان العلماء پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں لکھنؤ میں شیعوں کی سب سے پہلی نماز جماعت ہوئی اور جمعہ کی بنیاد قائم ہوئی اس وقت غفرانمآبؒ کی دینی مصروفیتوں کا کہنا ہی کیا ہے۔پھر بھی انہوں نے اپنے فرزند اکبر کی تربیت اس بلند معیار پر کی جس کی بنا پر وہ اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین ہو سکے جسے تائید الٰہی کے سوا اور کچھ کہا نہیں جا سکتا اور اس تائید الٰہی کا ظہور اس خواب سے ہو گیا جسے جناب غفرانمآبؒ نے جناب سلطان العلماء کے ایام طفولیت میں دیکھا اور جس میں حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ نے غفرانمآبؒ کو اس صاحبزادہ کی تربیت کے لئے اپنے زیر سایہ لینے کی بشارت دی۔اس پر جناب

سلطان العلماء عمر بھر فخر کرتے رہے۔ اسکا ذکر جناب تاج العلماء نے اپنی مبسوط کتاب تفسیر سورۂ یوسف احسن القصص میں رویائے صادقہ کی مثال میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

تعلیم

اسے خواہ سلطان العلماء کی صلاحیت ذہنی کا غیر معمولی کرشمہ سمجھا جائے اور خواہ جناب غفرانمآبؒ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کمال کہ سلطان العلماء کے بعد اس سلسلہ کے جتنے افراد ہوئے ان کے ذرائع تعلیم میں تو برابر وسعت پیدا ہوتی جارہی تھی جناب سلطان العلماء کے دوسرے بھائیوں کی تعلیم میں کچھ نہ کچھ تو باپ کے ساتھ بڑے بھائی یعنی خود جناب سلطان العلماء کی شرکت تھی مگر سلطان العلماء کے لئے مکتب اور مدرسہ اور یونیورسٹی شروع سے آخر تک جتنے مراکز تعلیم سمجھے جاسکتے ہیں ان سب کے لئے بس فقط ان کے والد یعنی غفرانمآبؒ کی ذات تھی۔ اس کے باوجود انتہائی تعجب خیز امر نہیں تو اور کیا ہے کہ انیس برس کی عمر میں سلطان العلماء تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے چنانچہ ۱۲۲۸ھ میں جناب غفرانمآبؒ نے آپ کو اجازہ مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد جناب غفرانمآبؒ سترہ برس بقید حیات رہے لہٰذا یوں سمجھنا چاہئے اس طویل مدت میں آپ خدمات دینیہ، تربیت طلاب اور اشاعت دین کے کارناموں میں اپنے والد بزرگوار کے دست وبازو بنے رہے۔

غفرانمآبؒ کے بعد

جناب غفرانمآبؒ کی وفات کے وقت جناب سلطان العلماء کی عمر ۳۶ برس کی تھی یہ ہر حیثیت سے کمال کی منزل تھی اور اس لئے آپ کی علمی وعملی جلالت باپ کی زندگی ہی میں مسلم ہو چکی تھی پھر جناب غفرانمآبؒ نے ۱۲ر جمادی الاول ۱۲۳۵ھ کو یعنی اپنے انتقال سے صرف دو مہینے سات دن پہلے ایک وصیت نامہ بھی تحریر فرمایا تھا جس میں آپ کی قائم مقامی کی تصریح فرمادی تھی اس لئے جناب غفرانمآبؒ کے بعد حکومت اور رعایا، خواص اور عوام اہل خاندان اور اغیار سب نے بالاتفاق آپ کو جناب غفرانمآبؒ کا جانشین تسلیم کر لیا۔

تقسیم عمل

خواہ اسے جناب غفرانمآبؒ کی ہمہ گیر صلاحیت اور غیر معمولی خصوصیت سمجھا جائے یا یوں خیال کیا جائے کہ جناب غفرانمآبؒ کے بعد تبلیغی کاموں کا حلقہ اتنا وسیع ہو گیا تھا اب وہ صورت ممکن نہ تھی، بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جناب غفرانمآبؒ تن تنہا جن تمام مہمات کے کفیل تھے اب غفرانمآبؒ کے بعد ضرورت ہوئی کہ وہ امتیازی اہلیتوں کے لحاظ سے متعدد اشخاص پر تقسیم ہو جائیں چنانچہ انتہائی تنظیم اور اتحاد باہمی کے ساتھ یہ تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ بادشاہ اور امراء کے یہاں کے دینی ضروریات کی تکمیل اور تبلیغ واشاعت کے ادارہ کی تنظیم وترتیب وغیرہ جناب سلطان العلماء نے اپنے ذمہ لی اور تدریس وتربیت افاضل اور اجتہادی مسائل کی تحقیق وتنقیح وغیرہ سب سے چھوٹے بھائی جناب

سید العلماء کے متعلق ہوئی اور عوامی ضروریات کی انجام دہی مثل نماز جماعت اور استخارہ وغیرہ کے درمیانی بھائی جناب مولانا سید علی صاحب اور مولانا سید حسن صاحب سے وابستہ ہوئی جو کہ تقدس و تقویٰ کے ساتھ امتیازی خصوصیت رکھتے تھے۔

انقلابات سلطنت

چونکہ آل غفرانمآب طاب ثراہ میں جناب سلطان العلماء نے سب سے زیادہ عمر پائی یعنی پچاسی برس دنیا میں زندگانی گذاری، اس لئے آپ کو اپنے دور میں سلطنت وقت کے بہت سے انقلابات کے ساتھ سابقہ پڑا۔ شروع میں غازی الدین حیدر کا زمانہ پھر نصیر الدین حیدر کا پھر محمد علی شاہ کا، پھر امجد علی شاہ، پھر واجد علی شاہ اور پھر انتزاع سلطنت غدر اور اسکے بعد انگریزوں کی حکومت۔

جب تک شاہی رہی، شاہوں کے مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کی وجہ سے مختلف حالات سامنے آئے اور جب شاہی گئی اور انگریزوں کا دور آیا تب تو زمین آسمان ہی بدلے ہوئے نظر آئے۔

یہ تمام حالات اور ان کے تقاضے اتنے مختلف تھے کہ جب تک قدرت کی طرف سے ایسا ہمہ گیر دل و دماغ نہ ملا ہوتا ایک ایسے ہمہ گیر روحانی اقتدار والی شخصیت کو جیسے کہ سلطان العلماء کی تھی ان تمام ادوار میں زندگی گذارنا آسان نہ تھا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اگر سلطان العلماء ایک محراب و مدرسہ میں محدود قسم کے عالم ہوتے جب تو ہوسکتا تھا کہ انقلابات کی آندھیوں سے وہ غیر متعلق رہ سکیں مگر جس پیمانے پر جناب غفرانمآب نے دینی ادارہ کی داغ بیل ڈالی تھی اور جس منتہائے عروج تک وہ اب سلطان العلماء کے وقت میں پہنچ گیا تھا اس کے لحاظ سے واقعہ یہ تھا کہ وہ شیعوں کے پورے اجتماعی نظام پر حاوی تھا جس کا دائرہ اب ہندوستان کے شرق و غرب پر محیط ہو چکا تھا بلکہ اسکے فیوض عراق و ایران تک پہنچ رہے تھے۔ ایسی صورت میں ناممکن تھا کہ گوشہ گیری اور انزواء کے طریقہ پر عمر بسر کی جاتی یا برسر اقتدار سلاطین سے بالکل غیر متعلق ہو کر زندگی گذار دی جاتی جب کہ وہ سلاطین بھی مذہب جعفری کے نام لیوا اور پرستار تھے اور انکی صحیح رہنمائی بھی جس حد تک ممکن ہو روحانی رہبر کے فرائض میں داخل تھی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ ان میں سے بعض ادوار جناب سلطان العلماء کے لئے کافی امتحانی بن گئے جن میں سے بڑا نازک دور نصیر الدین حیدر بادشاہ کا ہے جس کے کچھ واقعات کا چرچا امتداد زمانہ کے محو کرنے والے اثرات کے باوجود اب تک بعض زبانوں پر بھی جاری ہے اور بعض کتابوں کے صفحات پر بھی آ گیا ہے۔ جن میں کبھی تو جناب سلطان العلماء کی ذہانت نے میدان سر کیا ہے اور کبھی خداداد ہمت و جرائت نے جس کے ساتھ بروقت تائید ربانی اور اقبال سرمدی کے پیدا کئے ہوئے رعب و ہیبت کا بھی اثر شامل ہے۔

مثلاً یہ موقع کافی نازک تھا کہ جواں سال نصیرا لدین حیدر بادشاہ کے ذہن میں کچھ مخصوص کیفیات کے عالم میں اور پھر عوامی عقیدت کے جذبات کے ساتھ ۲۱ رماہ

رمضان کے تابوت جناب امیر علیہ السلام کے لئے یہ روہ آجاتی ہے کہ جناب سلطان العلماء نماز جنازہ پڑھائیں تاکہ شبیہ مکمل ہوجائے۔

عوام غالباً اس موقع کی نزاکت کو زیادہ محسوس نہ کرسکی اور شاید اس دور کے عوامی علماء بھی ایسے موقع پر اسمیں کوئی دشواری محسوس نہ کریں کہ بادشاہ کی خواہش پر عمل کر ہی دیا جائے مگر فرض شناس علماء دین کے لحاظ سے یہ موقع بڑا سخت امتحانی تھا۔

بحیثیت یادگار کوئی عمل وہ نیا بھی ہو تو اصطلاحی طور پر اسے بدعت سمجھنا درست نہیں ہے جب کہ اسے شرع میں خاص طور پر وارد ہونے کے تصور سے نہیں کیا جاتا بلکہ عمومی احکام کے تحت میں انجام دیا جاتا ہے مگر نماز ایک خاص عبادت ہے جس کے لئے شریعت نے مواقع مقرر کردئے ہیں اور بغیر ان مواقع کے دل بخواہ اسے انجام دینا یا خود ساختہ شکل سے انجام دینا بدعت ہے جو حرام ہے۔

ادھر بادشاہوں کی طبیعت کہ وہ جس وقت جو دھن آجائے اسکے خلاف کچھ سمجھنے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتے پھر فرمائش ایسی جو انکے اس وقت کے تصورات کے لحاظ سے سلطان العلماء کے فرائض میں داخل ہے۔ یہ وہ موقع تھا عوام کو تو شاید اس وقت کے بھی اسکی نزاکت کا احساس نہ ہو مگر اس وقت کے اہل علم کے طبقہ میں بڑا انتشار اور تلاطم پیدا ہو گیا تھا کہ اب سلطان العلماء کیا کریں گے۔ اگر بادشاہ کی مخالفت کرتے ہیں تو آج جان کی خیر نہیں اور اگر تعمیل کرتے ہیں تو اپنے شرعی موقف کے لحاظ سے پستی میں جاتے ہیں۔ ادھر جناب سلطان العلماء کو اس نزاکت کا بھی احساس کہ بادشاہ کے دل میں جو یادگار کے تقدس اور احترام کا جذبہ ہے اس جذبہ کو ٹھیس بھی نہ لگنا چاہئے۔

اس وقت غیر معمولی ذہانت ہی کا کرشمہ تھا کہ جو جناب سلطان العلماء اس خطرہ سے بال بال باہر نکل آئے۔ اس طرح کہ آپ بادشاہ کی طلب پر بلا توقف تشریف لے گئے اور شریک تابوت ہوئے۔ جب تابوت تیار ہو کر آیا اور سامنے رکھا گیا بادشاہ نے کہا بڑھئے آگے اور نماز پڑھایئے تو سلطان العلماء نے ایک خاص انداز سے فرمایا کہ یہ تو امام کا تابوت ہے۔ امام کے سوا کون نماز پڑھا سکتا ہے؟ یہ حقیقت پرور جواب وہ تھا کہ جو بادشاہ کے جذبہ احترام کے بالکل مطابق تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان العلماء سے زحمت دہی کی معافی چاہی اور آپ بخیر و عافیت شریعت کدہ کی طرف واپس ہوئے۔ بہت ممکن ہے کہ کسی وقت فرصت میں اس کے بعد آپ نے بادشاہ کو اصل شرعی پہلو سمجھا بھی دیا ہو مگر ظاہر ہے کہ اس وقت نفسیاتی طور پر اسکا کوئی امکان نہ تھا اور وہی طریقہ کارگر ہو سکتا تھا جو جناب سلطان العلماء نے اپنی ذہانت سے اختیار فرمایا۔

دوسرا واقعہ جس میں جرأت و ہمت اور رعب و اقبال نے کام کیا یہ تھا کہ کسی وجہ سے نصیر الدین حیدر بادشاہ کو آپ سے پرخاش پیدا ہوگئی اور یہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو مجمع عام میں سبک کریں۔ اس لئے آپ کو بلوایا اور اپنے لئے ایک کرسی بچھوائی جس پر خود بیٹھے اور بس ایک کرسی پاس رکھی

جس پر قلمدان رکھ دیا اور ارادہ یہ کیا کہ آج نہ سلطان العلماء کی تعظیم کو کھڑا ہوں گا اور نہ بیٹھنے کے لئے جگہ دوں گا بلکہ کھڑے کھڑے بات کرنے پر مجبور کروں گا تا کہ لوگوں کی نظر میں وہ سبک ہوجائیں۔

سلطان العلماء حسب الطلب تشریف لائے مگر جب آخری زینہ پر پہنچے تو آپ نے دستور عرب وعجم کے مطابق بلند آواز سے کہا یااللہ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں آرہا ہوں اس آواز سے بادشاہ نے بے ساختہ اوپر دیکھا اور گھبرا کر اپنی جگہ سے تعظیماً کھڑے ہوگئے۔اتنی دیر میں سلطان العلماء قریب پہونچ گئے اور بلا تکلف قلمدان ہاتھ میں اٹھا کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئے اور قلمدان کو اپنے زانو پر رکھ لیا بادشاہ نے مسئلہ پوچھا یہ بھی درحقیقت مسئلہ نہ تھا بلکہ ایک طرح کی بحث منظور تھی کہ کیا یہ درست ہے کہ امم سابقہ میں اگر کسی کے جسم پر نجاست لگ جاتی تھی تو اتنا جسم کاٹ ڈالا جاتا تھا۔جناب سلطان العلماء سمجھ گئے کہ اس کے بعد کیا سوال ہوگا آپ نے فرمایا ہاں درست ہے مگر خون اس شریعت میں نجاسات میں داخل نہیں تھا۔اس کے بعد بادشاہ کو کچھ کلام کرنے کی گنجائش محسوس نہوئی اور آپ فی امان اللہ کہکر رخصت ہوگئے۔بادشاہ رخصت کے وقت بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کچھ دیر تک سوچ میں بیٹھے رہے بعد میں کسی بے تکلف شخص سے کہا کہ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ آج قبلہ وکعبہ کی تعظیم نہ کروں گا مگر جب وہ آئے تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے بغلوں میں ہاتھ دیکر مجھے کھڑا کردیا بیشک یہ خدا کے مخصوص بندے ہیں۔

اس وقت سے بہت زیادہ آپ کی عظمت سے متأثر ہوئے مگر ان کے اشغال کچھ ایسے تھے کہ بسا اوقات وہ لاشعوری طور پر کچھ احکام دیدیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ حکم دے دیا سلطان العلماء کے مکان کو توپ سے اڑا دیا جائے یہ شام کا وقت تھا حکم افسر توپخانہ کو پہونچا وہ خود سلطان العلماء سے انتہائی متأثر تھا اسے بڑی فکر ہوئی۔اس نے جان پر کھیل کر راتی راتا دو توپیں نصب کرائیں ایک سلطان العلماء کے مکان کے سامنے اور دوسری توپ قصر سلطانی کے بالمقابل بادشاہ صبح کو اٹھے تو اب ہوش میں تھے خبر ہوئی کہ قصر سلطانی کے سامنے توپ لگی ہوئی ہے افسر کو بلایا کہا یہ کیا قصہ ہے اس نے دست بستہ عرض کیا حضور نے رات کو یہ حکم صادر کیا تھا سلطان العلماء کا مکان توپ سے اڑا دیا جائے میری غیرت ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ بادشاہ دین کا مکان اڑا دیا جائے اور بادشاہ دنیا کا باقی رہے اس لئے میں نے چاہا کہ میں اپنا دین برباد کررہا ہوں تو آج دنیا کو بھی برباد کردوں اور پھر خود بھی ختم ہوجاؤں بادشاہ بہت متأثر ہوئے اپنا حکم سابق منسوخ کیا اور توپخانہ افسر کو انعام واکرام سے سرفراز کیا۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ کے بعد محمد علی شاہ ہوئے یہ بڑے دیندار تھے اور علماء سے عقیدت رکھتے تھے ان کے ذریعہ سے جو کار خیر قایم و دائم طور پر انجام تک پہنچا وہ وقف حسین آباد مبارک کی شکل میں اب تک قائم ہے جس سے باوجود انتظامی خامیوں اور بہت حد تک مفاد وقف کے

پورا نہ ہونے کے پھر بھی کثیر التعداد کار ہائے خیر اب تک انجام پا رہے ہیں۔

حکومت شرعیہ کا قیام

محمد علی شاہ کا دور زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا مگر ان ہی کے مذہب پرور سایہ تربیت میں پروان چڑھے ہوئے امجد علی شاہ سریر اقتدار پر آئے تو انہوں نے سلطان العلماء کو بلا کر تاج ان کے سامنے ہی رکھ دیا کہ یہ آپ کا حق ہے میرا نہیں ہے سلطان العلماء نے انہیں شاباشی دی اور فرمایا ہمیں شخصی اقتدار درکار نہیں ہے۔ آپ ان مقاصد کی تکمیل کریں جو شریعت مطہرہ میں اہم اور ضروری ہیں تو میں یہ تاج خود اپنی طرف سے آپ کے سر پر رکھ دوں بادشاہ نے سلطان العلماء سے عہد و پیمان کیا اور آپ نے وہ تاج اپنے دست مبارک سے خود انکے سر پر رکھ دیا غالباً اسی کی طرف جناب مفتی میر عباس صاحب نے جناب سلطان العلماء کی وفات کے بعد قطعہ تاریخ میں اس شعر کے ساتھ اشارہ کیا ہے:

آں ہمایوں منظرے کز سایہ اقبال او
بادشاہاں سر بسر دیہیم و افسر داشتند

امجد علی شاہ نے اپنے اس عہد کو پورا یوں کیا کہ تمام نظام مملکت کو قانون شریعت کا تابع بنا دیا دیوانی اور فوجداری دونوں عدالتیں سلطان العلماء کے ماتحت ہوگئیں اور تمام دوائر دولتی سلطان العلماء کی مرضی کے مطابق تشکیل ہوئی چنانچہ محکمۂ شرعیہ کے چیف جسٹس جناب سلطان العلماء کے سب سے بڑے بیٹے جناب منصف الدولہ شریف الملک مولوی سید محمد باقر صاحب ہوئے۔ پولیس جناب خلاصۃ العلماء مولانا سید مرتضیٰ صاحب کے تحت ہوئی اور فوجداری کے محکمہ کے نگران اعلیٰ خود جناب سلطان العلماء ہوئے جہاں قانون شریعت کے مطابق حدود شرعیہ کا اجراء ہوتا تھا غرض تمام محکمے اسی صورت پر قائم ہوئے۔

استغناء اور قناعت

مذکورہ بالا صورت حال میں ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ سلطان العلماء کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کچھ کر سکتا تھا مگر اس وقت جب پوری حکومت سلطان العلماء کے ہاتھ میں تھی انہوں نے نہ اپنے لئے کوئی عالیشان محل تعمیر کیا نہ اپنی اولاد کے لئے کوئی بڑی جائداد خرید کر گئے۔

گاؤں جواب تک زمینداری کے خاتمہ کے پہلے اولاد سلطان العلماء کے پاس تھے وہ وہی تھے جو غفرانمآب کو زمانہ آصف الدولہ میں عطا ہوئے تھے جناب سلطان العلماء کے زمانہ کی کوئی جائداد اور کوئی اندوختہ ان کی اولاد تک نہیں پہونچا۔ وہی عالمانہ اپنا ذاتی کاشانہ جوہری محلہ میں تھا جہاں مقدمات بھی فیصل ہوتے تھے اور مجرموں کو سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور تمام دفتری کام بھی انجام پاتے تھے۔

یہ سیرت کا پہلو وہ تھا جس سے متاثر ہو کر جناب مفتی میر عباس صاحب کو کہنا پڑا

در حکومت زہد و تقوئے العجب ثم العجب
کیسہ پر زر داشتند و طبع بوذر داشتند

صاف گوئی اور حق پروری

جناب سلطان العلماء نے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے دور حکومت میں بھی کبھی "کلمۂ حق" سے زبان نہیں روکی یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے کسی ایسی عورت سے جس میں کچھ عذر شرعی تھا تعلق ازدواجی قائم کرنے کا مسئلہ دریافت کرایا اور جناب نے قانون شرعی کے مطابق جواب دیا کہ حرام ہے پھر کچھ مدت کے بعد اور ممکن ہے کہ اظہار ناگواری اور رعب و دبدبۂ سلطانی کے تھوڑے سے مظاہرات کرنے کے بعد دوبارہ وہی مسئلہ پوچھوایا تو جناب نے ارشاد کیا اس مسئلہ کا جواب ایک مرتبہ جو دیا جا چکا ہے وہی ہے "حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ وحرام محمد حرام الی یوم القیامۃ" اس میں لطیف پہلو یہ تھا کہ خود آپ کا اسم گرامی بھی سید محمد تھا۔

پھر اب امجد علی شاہ تو آپ کے شرعی ہدایات پر چلنے کا عہد و پیمان کر چکے تھے اب اظہار حق میں کون امر مانع ہو سکتا تھا؟ چنانچہ محکمۂ شرعیہ قائم ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک تاجر بادشاہ کے لئے کوئی بہت بیش قیمت طلا کار اور جواہر نگار مسند و تکیہ لایا تھا جسے تیرہ لاکھ میں خرید کیا گیا مگر ارکان دولت نے چند لاکھ اسے دے کر باقی قیمت دبالی اور ادا نہ کی۔ اُس نے دفتروں میں بڑی دوا دوش کی مگر اس کی سنی ان سنی کر دی گئی۔ اب جب محکمۂ شرعیہ قائم ہو گیا تو اس نے بادشاہ کے خلاف سلطان العلماء کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا آپ نے ضروری ثبوت لینے کے بعد بادشاہ کے خلاف اسے ڈگری دے دی اور بادشاہ کے یہاں سے وہ روپیہ ادا کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان العلماء کے انصاف وعدالت کی ہر قوم وملت میں دھوم ہو گئی۔

امجد علی شاہ کے بعد واجد علی شاہ تخت حکومت پر آئے۔ ان کے دور میں وہ شرعی نظام تو قائم نہیں رہا جو امجد علی شاہ نے قائم کر دیا تھا مگر سلطان العلماء کے ادب و احترام میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور جناب سلطان العلماء نے اپنی روایتی صاف گوئی اور حق پروری کو برابر قائم رکھا جس کی وجہ سے اب کبھی کبھی تصادم کے امکانات پیدا ہوئے مگر سلطان العلماء نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

اس کا ایک خاص موقع ہنومان گڑھی کے واقعہ میں آ گیا تھا جب ایک مسجد پر مقامی اکثریت نے قبضہ کر لیا تھا اور امیٹھی کے مولوی امیر علی صاحب تمام آئینی کوششوں کے بعد سر سے کفن باندھ کر مسلمانوں کی ایک پر جوش جماعت کو لیکر اس مسجد کی حفاظت کے لئے چل کھڑے ہوئے حکومت کسی وجہ سے مقامی اکثریت کی ہم نوا بن گئی تھی اور مولوی امیر علی کی حیثیت حکومت کے باغی کی سمجھی جا رہی تھی۔

اس موقع پر یہ تاریخی واقعہ ہے کہ علمائے فرنگی محل تک نے جو مولوی امیر علی صاحب کے ہم مذہب تھے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اطاعت اولی الامر واجب ہے اور مولوی امیر علی کو حکومت کی مخالفت نہ کرنا چاہئے مگر سلطان العلماء نے شیعہ عالم ہوتے ہوئے شیعہ حکومت کا ساتھ نہیں دیا اور بادشاہ کی انتہائی کوشش کے باوجود امیر علی صاحب کے خلاف فتویٰ صادر نہیں فرمایا اور صاف کہدیا کہ ان کے خلاف کوئی اقدام حرام اور ناجائز ہے اگرچہ سلطنت نے اس فتوے پر عمل نہیں کیا مگر وہ انتہائی ناگواری کے باوجود

سلطان العلماء کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچاسکی اس علمی جاہ و جلال کو دیکھتے ہوئے جناب مفتی صاحب نے فرمایا

رہبر دین علی بودست و ہمنام نبی
ہیبتے از رعب او در قلب کافر داشتند

لطائف وظرائف

جناب سلطان العلماء کے رعب و داب اور جلالت وسطوت کی بنا پر تصور ہوتا ہوگا کہ آپ تنک مزاج اور پرخشونت انداز رکھتے ہوں گے مگر یہ حیرت ناک بات ہے کہ ایسا نہیں تھا۔آپ بڑے کشادہ رو اور خوش مزاج ،لطیف الطبع اور حاضر جواب تھے اور اس خوش طبعی کے ساتھ ذہانت کی کارفرمائی نے آپ کے سوانح نگار کے لئے لطائف کا ایک ذخیرہ باقی رکھا ہے جس کا سینہ بسینہ اب تک تذکرہ چلا آتا ہے ان میں سے چند بطور مثال ذیل میں درج ہیں

۱- آپ کے بے تکلف احباب میں ایک سنی عالم مولوی امر اللہ صاحب تھے ایک روز چند ایسے ہی رفقاء کا اجتماع تھا جناب سلطان العلماء نے امر اللہ صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا آپ کے لئے ہم نے مہر کے لئے ایک نقش تجویز کیا ہے وہ بڑے اشتیاق سے متوجہ ہوئے حاضرین بھی گوش برآواز ہو گئے آپ نے فرمایا۔آپ کے نقش خاتم میں یہ آیت قرآن بہت مناسب ہوگی "وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلاً" حاضرین سب ہنسنے لگے مولوی صاحب بھی چارنا چار ہنس پڑے۔

۲- نصیر آباد میں جو آپکا آبائی وطن تھا محلہ قضیانہ کی طرف سے تعزیہ لے جاتے تھے۔یہ راستہ قریب کا تھا مگر اس طرف اہلسنت کی آبادی تھی ۔ایک سال فرقہ واریت نے ذرا شدت اختیار کی اور اہلسنت کے کچھ ممتاز افراد نے جناب سلطان العلماء کے پاس آکر عرض کیا کہ آپ شیعیان نصیر آباد کو ہدایت فرمائیں کہ وہ تعزیے اس راستے سے نہ لے جائیں۔دوسرے راستے سے لیجائیں آپ حکم دیدیں تو سب تعمیل کریں گے آپ نے فرمایا میں لکھنؤ میں۔یہ معاملہ نصیر آباد کا میں دخل دے کر کیا کروں ۔پھر آپ اپنے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو بدعت کا تھوڑی دیر کا ہونا اچھا یا زیادہ دیر تک جب راستہ دور کا ہوگا تو بدعت دیر تک ہوگی ۔اس لئے آپ کو بھی راستے کے بدلنے پر اصرار نہ کرنا چاہئے۔

۳- غدر میں چونکہ برجیس قدر کی تاجپوشی آپ کے ہاتھ سے ہوئی تھی اس لئے انگریزوں کے یہاں آپ کا نام باغیوں کی فہرست میں درج ہو گیا تھا غدر کے بعد جب انگریزی تسلط ہوا تو آپ سے بدگمانی انگریزوں کی عرصہ تک قائم رہی ۔اس زمانے کے انگریز جو یہاں آتے تھے وہ مسلمانوں کے مذہب، معاشرت اور فرقوں کے خصوصیات سے خوب واقف ہوتے تھے ایک دن کسی انگریز حاکم نے ایک مجمع میں سلطان العلماء سے کہا کہ جب آپ کے امام ظہور کریں گے تو پھر آپ ہم لوگوں سے خوب جہاد کریں گے اور ہمیں ماریں گے ۔آپ نے مسکرا کر فرما دیا کہ ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ مسیح بھی ہونگے جو ان کی ہدایت ہوگی اس پر عمل کریں گے وہ انگریز خاموش ہو گیا اس شگفتہ مزاجی کو یاد کر کے جناب مفتی صاحب نے خوب فرمایا ہے:

حسن خلق وخوف محشر از جناب شاں نگر
خندہ برلب داشتند و دیدۂ تر داشتند

تصانیف

آج ہی کل نہیں بلکہ ماضی قریب کے بہت سے علماء کو دیکھا جائے تو انہوں نے کوئی ایک مشغلہ خدمت دین کی حیثیت سے اختیار کر لیا خواہ وہ بیان منبر ہو یا کسی ادارہ کا انتظام ہو تو وہی تصنیف وتالیف سے ان کی معذوری کے لئے کافی ہو گیا یا اگر پریشان حالی میں زندگی بسر ہوئی تو ''فکر نان'' ہی عذر قوی بن گئی مگر ذرا سلطان العلماء کے ایک پوری حکومت کے نظام کی سربراہی کو دیکھئے جسے ''فکر نانے'' نہیں ''فکر جہانے'' کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے بعد ان کے تصانیف پر نظر ڈالئے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان تمام مشاغل وشواغل کے باوجود ان کے تصانیف تعداد میں اپنے پیشرو حضرت غفرانمآب طاب ثراہ اور اپنے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے برابر ہی نظر آتے ہیں پھر یہ تعداد مختصر رسالوں ہی کے ناموں سے پوری نہیں ہوتی ہے بلکہ ان میں ضربت حیدریہ کی دو جلدیں بھی ہیں جو مجموعاً ایک ہزار صفحات کے قریب ہیں اور متعدد کتابیں کئی کئی سو صفحات کی ہیں۔ ان تصانیف میں علاوہ تحقیق وتدقیق کے جس میں صرف ذہنی جودت کی ضرورت ہے۔ تفحص اور جستجو کے ایسے آثار بھی ہیں جن کے لئے کثرت مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے ساتھ خود انکی انفرادیت اس خوش طبعی کی آمیزش سے ہے جس کا ان کے لطائف کے باب میں تذکرہ ہو چکا ہے۔

ذیل میں کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے:

(۱) طَعْنُ الرِّمَاحِ (۲) مِنْهَاجُ التَّدْقِيقِ (عربی) (۳) سَيْفٌ مَاسِحٌ مَسَحَ عَلَى الرِّجْلَيْنِ کی بحث میں (۴) اَصْلُ الْاُصُوْلِ رَدُّ اَخْبَارِيِّيْنَ (۵) سَبْعُ مَثَانِي (۶) عُجَالَةٌ نَافِعَةٌ عربی مختصر علم کلام (۷) بَارِقَۂ ضیغمیہ رد تحفہ در بحث متعہ (۸) ضربت حیدریہ دو جلدیں۔ یہ بھی مبحث متعہ میں ہے بارقۂ ضیغمیہ کے جواب میں مولوی رشید الدین دہلوی شاگرد صاحب تحفہ نے ''شوکت عمریہ'' لکھی ہے اس کا جواب آپ نے ضربت حیدریہ کے نام سے تحریر فرمایا جو بڑی مہتم بالشان تصنیف ہے حالانکہ دیباچہ میں ایک شاگرد کا نام لکھ دیا ہے مگر یہ امر معلوم ومتیقن ہے کہ کتاب تصنیف جناب سلطان العلماء ہی کی ہے جس کی تصدیق طباعت کے وقت اس دور کے تمام بزرگ مرتبہ علمائے خاندان نے فرمائی ہے (۹) بَوَارِقُ مُوْبِقَةٌ رد تحفۂ اثنا عشریہ بحث امامت (۱۰) اِحْيَاءُ الْاِجْتِهَادِ (اصول فقہ) (۱۱) رسالۂ مسئلہ ضیق ووسعت در قضا (۱۲) فوائد نصیریہ در مسائل زکوٰۃ وخمس (۱۳) رسالۂ جمعہ (۱۴) رسالۂ تحقیق نجاست عرق جنب لحرام (۱۵) گوہر شاہوار در جواب سوالات نصیر الدین حیدر بادشاہ متعلق افضلیت اہلبیت وقرآن (۱۶) بَشَارَاتٌ مُحَمَّدِيَّةٌ (۱۷) قِتَالُ النَّوَاصِبِ (۱۸) حاشیۂ شرح سلم حمد اللہ (۱۹) رسالہ حل مسئلہ جذر اصم (۲۰) ثَمَرَةُ الْخِلَافَةِ (۲۱) اِزَاحَةُ الْغَيِّ در رد عبد الحی (۲۲) سُمُّ الْفَأرِ (۲۳) صمصام قاطع، اس میں شعائر عزا پر استدلالی بحث ہے (۲۴) بَرْقٌ خَاطِفٌ

(۲۵) کتاب مبسوط دررد تحفۂ بحث امامت (۲۶) حَاشِیَۃُ شَرْحِ صَغِیْرٍ فقہ (۲۷) شَرْحُ زُبْدَۃِ الْاُصُوْلِ (۲۸) کَشْفُ الْغِطَائِ (۲۹) اجازۂ جناب ممتاز العلماءؒ (۳۰) رسالہ در اثبات حفاظ قرآن درفرقہ شیعہ (۳۱) اجازۂ جناب عمدۃ العلماءؒ

تلامذہ

باوجودیکہ تربیت وتعلیم طلاب اور یوں سمجھنا چاہئے کہ مستقبل کے افراد کی تعمیر کا کام جناب سید العلماء اعلی اللہ مقامہ کے ذمہ رکھ دیا گیا تھا اوران کے بعد عملی طور پر ان کے خلف الصدق جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ نے اس ادارہ کو سنبھالا پھر بھی کچھ حضرات نے جناب سلطان العلماء سے استفادہ علمی کے لئے بھی کچھ وقت حاصل کرلیا چنانچہ آپ کے حالات میں ان کے تلامذہ کے نام ملتے ہیں۔

(۱) مولوی سید محمد صاحب جنہیں پھر ہوگلی میں امام جمعہ و جماعت کے منصب پر بھیجد یا گیا تھا (۲) مولوی سید سرفراز حسین صاحب (۳) قاضی سید محمد رضا عرف آغا سید صاحب جائسی (۴) حافظ قاری سید جعفر علی صاحب جارچوی (۵) مرزا محمد صاحب فیض آبادی (۶) مولوی مشرف علی صاحب (۷) سید باقر شاہ بخاری (۸) مولوی سید دیدار جہاں صاحب متوطن بڑا گاؤں ضلع فیض آباد جو مولانا سید عالم حسین صاحب مرحوم مدرس جامعۂ سلطانیہ کے نانا تھے (۹) مولانا سید علی حسن صاحب جائسی جو خطیب آل محمد مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم کے نانا تھے (۱۰) مفتی نواب میرزا صاحب (۱۱) مولانا سید علی صاحب محدث مصنف مجالس علویہ۔

ان تلامذہ کے علاوہ آپ کے صاحبزدگان بھی آپ کے علوم کے وارث تھے جن میں سب سے بلند ہستی جناب خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ کی تھی نیز ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب جو آپ کے جانشین بھی ہوئے۔ان حضرات کا مرکز استفادہ ان کے والد بزرگوار جناب سلطان العلماء ہی کی ذات تھی۔

وفات

شب جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کولکھنؤ میں ۸۵ سال کی عمر میں یہ آفتاب علم ودین غروب ہوگیا۔

آپ کا زمانہ ہندوستان میں شیعیت کے عروج وسربلندی علمائے دین کے وقار عظمت کے ارتقاء اورخاندان اجتہاد کی سربلندی کے کمال شباب اور پھر ابتدائے زوال کا دور تھا۔

آپ نے اپنی آنکھوں سے وہ دن بھی دیکھا جس کے آفتاب نیمروز وہ خود تھے اور خود اپنے مغرب قبر میں نہاں ہونے کے پہلے ہی اس شام کا دھندلکا بھی دیکھ لیا جو آپ کے بعد رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور جواب ایک رات کی صورت میں محیط ہوگیا ہے۔

جناب مفتی میر عباس صاحب قبلہ نے جو قطعہ تاریخ اس سلسلہ میں نظم کیا تھا اس کے بعض اشعار جستہ جستہ متعدد مقامات پر آتے رہے ہیں اس قطعہ تاریخ میں جہاں

سے وفات کا ذکر شروع ہوتا ہے اور پھر مادۂ تاریخ ہے وہ اشعار درج ذیل ہیں:

حیرتم از حال مرگ سید رضواں مآبؒ
گوئیا شوق لقائے دوست در سر داشتند
با تشنج در نماز آخر روز وفات
رفع ید در گفتن اللہ اکبر داشتند
ساعت دہ از شب بست و دوم ماہ ربیع
رخت بر بستند و عزم بزم داور داشتند
آہ یا ویلاہ ما ادراک ما یوم الخمیس
کاندریں کنج لحد از خاک بستر داشتند
حلہ ہائے نو بنو پوشند در خلد بریں
در جہاں گر چہ لباس کہنہ در برداشتند
سال تاریخ وفاتش را چہ می پرسی زمن
آسمانے بود وائے از زمیں برداختند

اولاد واخلاف

آپ کو عمر کے تناسب ہی سے قدرت کی جانب سے نعمت اولاد فراواں عطا ہوئی تھی جن میں سب صاحبان علم تھے اور متعدد افراد کمال و اجتہاد کی منزل پر فائز تھے (۱) فرزند اکبر جناب منصف الدولہ شریف الملک سید محمد باقر صاحب مصنف تشئید المبانی (۲) جناب سید صادق صاحب مصنف تائید المسلمین وغیرہ (۳) خلاصۃ العلماء جناب سید مرتضیٰ صاحب اعلی اللہ مقامہ جو یگانہ روزگار فلسفی و معقولی تھے اور جناب فردوس مآب مولانا سید حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار کے استاد تھے اور پھر فن سپہ گری میں اس دور کے مانے ہوئے استاد تھے (۴) سید عبداللہ صاحب مصنف خلاصۃ الاعمال وغیرہ

ان تمام حضرات کا انتقال جناب سلطان العلماء کی حیات میں ہوا

(۵) ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب جو اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کے جانشین قرار دئے گئے

(۱۶) سید غلام حسین صاحب

(۱۷) تاج العلماء سید علی محمد صاحب جامع علوم یگانہ روزگار عالم اور کثیر التصانیف۔ آپ کے تذکرہ کے لئے مستقل طور پر ایک کتاب کی ضرورت ہے

(۱۸) سید محمد علی صاحب جو جناب خلاصۃ العلماء کے بعد فن سپہگری میں استاد ہوئے۔

(۱۹) جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب مصنف تصانیف کثیرہ وغیرہ۔

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ حجۃ الاسلام والمسلمین

آقائی حضرت سید محمد سلطان العلماء رضوان مآب مجتہد اعظم طاب ثراہ

عماد العلماء علامہ سید محمد رضی مجتہد

تاریخ ولادت ۱۱۹۹ھ ۱۷ر صفر مطابق ۱۷۸۴ء انیس برس کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہو گئے بے انتہا ذہین تھے ۔حضرت سید دلدار علی غفرانمآبؒ کے بڑے فرزند تھے اور جناب ممدوح نے کم سنی ہی میں اجازۂ اجتہاد عطا کر دیا تھا۔علماء و مجتہدین عراق و ایران نے آپ کی علمی عظمت کا کھلے لفظوں میں اقرار کیا تھا ۔نجف اشرف (عراق) کے مشہور ترین مرجع تقلید آیۃ اللہ العظمیٰ آقائی الشیخ محمد حسن نجفی متوفی ۱۲۶۲ھ نے بھی اپنے بعض خطوط میں سرکار سلطان العلماءؒ کے کمال علمی کا اعتراف کیا تھا۔

علامہ نجفی مرحوم کی عظیم الشان کتاب جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام پچاس مجلدات سے زیادہ جلدوں میں ہے اور دنیائے اجتہاد میں بڑی معروف و مشہور اور مرجع علماء و مجتہدین ہے شیخ الفقہاء علامہ نجفیؒ نے اپنے اس مکتوب میں جو انہوں نے سرکار سلطان العلماءؒ کے چھوٹے بھائی سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء حضرت سید حسین مجتہد اعظم طاب ثراہ کو لکھا تھا اور اس میں بعض مسائل فقہ کی تشریح ان جناب سے چاہی تھی ۔اس خط میں شیخ ممدوح علیہ الرحمۃ نے حضرت سلطان العلماء کے علمی بلند مقام کا بڑے شاندار لفظوں میں ذکر کیا تھا۔ (تاریخ سلطان العلماءؒ از مولانا آغا مہدی مرحوم ص/۲۶)

جناب مرحوم علمی کمالات کے باوجود شہ سواری اور شمشیر زنی میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔منبر پر ذکر مصائب و فضائل حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی ابتداء سلطنت اودھ میں آپ ہی سے ہوئی تھی۔

یہ زمانہ وہ تھا جب ثریا جاہ مصلح الدین امجد علی شاہ کا دور سلطنت تھا یہ سلطنت اودھ کے چوتھے بادشاہ اور نہایت متشرع ،عبادت گذار اور دین دار تھے اس کے ساتھ ہی مسائل شرعیہ سے بہت واقفیت رکھتے تھے ۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ سلطنت کا اصلی وارث مجتہد جامع الشرائط ہی ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ امام زمانہؑ کا نائب ہوتا ہے جو ہمارے حقیقی سلطان اور حاکم اور صاحب امر ہیں۔

اس لئے امجد علی شاہ کے زمانے میں پوری حکومت و سلطنت حقیقت میں سرکار سلطان العلماءؒ ہی کی تھی اور بادشاہ ان کے نائب کی حیثیت رکھتے تھے پورے ملک میں سرکار سلطان العلماءؒ کے حکم سے شریعت کے احکام نافذ تھے اور تمام ادارات سلطنت شریعت حقہ کے مطابق کام کرتے تھے۔سرکار مرحوم کی وفات ۲۲ر ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵ر جولائی ۱۸۶۷ء میں ہوئی اور اپنے والد ماجد کی بنا کردہ امام بارگاہ (حسینیہ غفرانمآبؒ) میں سپرد خاک کئے گئے ۔سرکار سلطان العلماءؒ کے آثار باقیہ میں ان کی لائق اولاد اور ذریت شہرہ آفاق اور عالم باعمل تلامذہ اور بہ کثرت بے بہا علمی تصانیف ہیں۔

ممتاز العلماء فخر المدرسین آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد تقی جنت مآب طاب ثراہ

سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج مولانا السید علی نقی النقوی طاب ثراہ

نام نسب اور القاب

مولانا سید محمد تقی عرف جناب سید تقی صاحب قبلہ ،جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے پوتے ان کے سب سے چھوٹے فرزند سید العلماء علیین مکان مولانا سید حسین عرف جناب میرن صاحب قبلہ کے منجھلے بیٹے تھے ممتاز العلماء اور فخر المدرسین خطاب تھا اور انتقال کے بعد ''جنت مآب'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ولادت اور نشوونما

۱۶ / جمادی الاول ۱۲۳۴؁ھ کو ولادت ہوئی یہ آپ کے جد امجد جناب غفران مآبؒ کی حیات کا تقریباً آخری سال تھا اور آپ کے والد بزرگوار جناب سید العلماء طاب ثراہ کی عمر کے چوبیسویں برس کا آغاز تھا۔

اگر چہ آپ کے ایک بھائی آپ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے جن کا نام علی حسین تھا اور جو بعد میں زین العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے اور جن کی اولاد میں نواب سید مہدی حسین صاحب ماہرؔ اور نواب سید اصغر حسین صاحب فاخرؔ ایسے مشہور افراد ہوئے اور ایک بھائی آپ سے چھوٹے تھے جن کا نام علی نقی تھا اور جو زبدۃ العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے یہ دونوں بھائی بھی صاحبان علم میں سے تھے جو ان کے القاب سے ظاہر ہے مگر قدرت نے اپنے باپ کے کمالات کا سب سے بڑا وارث داراسی درمیانی فرزند کو بنایا تھا جو اپنے والد بزرگوار کے بعد فقہ و اصول کے دو علموں میں جو اصل معیار اجتہاد ہیں ہندوستان کے سب سے بڑے مجتہد تسلیم کئے گئے۔

تعلیم و تربیت

جناب جنت مآبؒ کی عمر ابھی ایک سال سے کچھ ہی متجاوز ہوئی تھی کہ ۱۹/ ماہ رجب ۱۲۳۵؁ھ کو آپ کے جد امجد جناب غفرانمآبؒ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

اس کے بعد جیسا کہ جناب رضوان مآب کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ تبلیغ و اشاعت اور تعلیم و تدریس کے کاموں میں وسعت کے پیش نظر اخلاف غفرانمآبؒ میں باہمی یکجہتی کے ساتھ فرائض تقسیم ہو گئے بادشاہ اور امراء کے یہاں کے دینی ضروریات کی تکمیل اور تبلیغ و اشاعت کے ادارہ کی تنظیم و ترتیب جناب سلطان العلماء کے ذمہ ہوئی ہے اور تدریس و ترتیب افاضل اور اجتہادی مسائل کی تحقیق و تنقیح وغیرہ سب سے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے متعلق ہوئی جو فقہ و اصول میں امتیاز خاص کے مالک تھے۔

ظاہر ہے کہ جناب سلطان العلماء کے کاموں میں جتنی آفاقیت اور بیرونی روابط کی وسعت کی ضرورت تھی اتنی جناب سید العلماء کے کام کی نوعیت میں نہ تھی یہ ایک

طرح کا ''گوشۂ عافیت'' تھا جس میں انہیں داخلی تعمیر اور افراد مستقل کی تشکیل کے لئے جس ذہنی یکجہتی اور بیرونی کشمکش سے علیحدہ رہتے ہوئے یکسوئی کی ضرورت ہے وہ بدرجۂ اتم حاصل تھی۔ اس لئے انہوں نے یقیناً اپنے فرزندوں کی تعلیم و تربیت بذات خود اپنے سے متعلق رکھی اور بالخصوص منجھلے بیٹے کی صلاحیتوں کو بچپن ہی سے محسوس کرتے ہوئے بہت پہلے ہی سے انہیں اپنے علمی کمالات کے حامل کی حیثیت سے خصوصی فیوض و افادات کا مرکز بنانے میں اپنی پوری توانائی صرف فرما رہے تھے اور ابتداء سے انتہاء تک تمام علوم وفنون کی تعلیم شفیق باپ نے اس بیٹے کو بذات خود دی۔

ساتھیوں میں امتیاز

ہندوستان کے شیعہ رجال سے واقف صاحبان علم بالاتفاق یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ جتنی تعداد میں جلیل القدر علماء جناب سید العلماء علیین مکان کے حلقۂ درس سے نکلے اس کی نظیر کوئی دوسری نہیں ملتی مثلاً استاذ الناس مولانا مفتی سید محمد عباس طاب ثراہ، علامۃ المتکلمین صاحب عبقات الانوار مولانا سید حامد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ مولانا مرزا محمد اخباری اور قائمۃ الدین مولانا محمد علی صاحب، مولانا شیخ تفضل حسین فتح پوری، مولانا سید اولاد حسین شکوہ آبادی، مولانا سید غنی نقی زید پوری اور مولانا سید منصب علی زنگی پوری اور ایسے ہی کتنے اطراف ملک کے علماء تھے جو جناب سید العلماء کے درس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔

یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک مجلس درس میں حاضر ہونے والے شرکاء درس مشکل ہی سے اپنے کسی ساتھی کے رفعت و امتیاز کے قائل ہوتے ہیں اور ان بے لوث مقدس شخصیتوں سے قطع نظر جن میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو، دل سے قائل ہوں بھی تو زبان وقلم سے اس کا اظہار مشکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب ہم کتاب ''اوراق الذہب'' میں جسے جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنے استاد جناب سید العلماء کے حالات میں عربی زبان میں لکھا ہے ان چند سطروں کو پڑھتے ہیں جو انہوں نے اولاد جناب سید العلماء کے حالات میں لکھی ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں میں جناب جنت مآب کو امتیاز کتنے نمایاں مرتبہ پر حاصل تھا جس کا بلا استثناء خود تمام ساتھیوں کو احساس تھا اور پھر یہ حضرات نفسانیت سے بری اور بے لوث ایسے تھے کہ ان کو اپنے اس احساس کے اظہار میں کوئی تکلف نہ تھا پھر اس کے ساتھ یہ خاص قابل لحاظ بات ہے کہ ہضم نفس اور انکسار کی بناء پر انسان کو خود اپنی ذات پر کسی کو ترجیح دینے کا حق ہے لیکن انکسار کی منزل میں اپنے تمام شرکائے درس کے بارے میں کوئی بات کہنے کا حق پیدا نہیں ہوتا جب تک حقیقت اتنی نمایاں نہ ہو جس کے سب ہی معترف ہوں۔

یہ بیش قیمت الفاظ جو جناب مفتی صاحب قبلہ نے ممتاز العلماء کے بارے میں صرف کئے ہیں جو خود اوراق الذہب میں ہمارے بھی سامنے آتے رہے ہیں اور انہیں مولانا سید محمد حسین صاحب نوگانوی مرحوم نے کتاب ''تاریخ العلماء (مطبوعہ جدید برقی پریس بلّی ماران دہلی ص/ ۹۸) میں بھی درج کیا ہے حسب ذیل ہیں:

اَکْبَرُهُمْ فِیْ الْهُدٰی وَالسَّدَادِ وَاَبْرَعُهُمْ

بِالْفِقْهِ وَالْاِجْتِهَادِ ذُوْالْفِكْرِ الْمَتِيْنِ وَالرَّأْيِ الرَّزِيْنِ فَخْرُ الْفُضَلَاءِ الْمُدَرِّسِيْنَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ السَّيِّدِ مُحَمَّد تَقِيَ اَعْلَى اللّٰهُ قَدْرَهٗ وَنَوَّرَ بَدْرَهٗ هُوَ اَحْدَثُ مِنِّيْ سِنًّا وَاَقْدَمُ فَضْلاً مِنَّا۔

اولاد جناب سید العلماء میں ہدایات وارشادات کے لحاظ سے سب سے بزرگ اور فقہ واجتہاد میں سب سے محتاط صاحب فکر متقی ورائ محکم فخر الافاضل مدرسین ، پرہیزگار، پاکیزہ خصال سید محمد تقی ہیں اللہ ان کے مرتبہ کو اور بلند اور ان کے ماہ کامل کو اور زیادہ روشن کرے وہ عمر میں مجھ سے کم ہیں اور علم وفضل میں ہم سے مقدم ہیں۔

اس کے آخر کے دو فقروں میں ''منی'' یعنی مجھ سے اور ''منا'' یعنی ہم سے کا جو فرق ہے اسے ہر عربی داں محسوس کرسکتا ہے۔

اس کے علاوہ جناب مفتی صاحب کے عربی دیوان (مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ) میں جس کا نام ''رطب العرب'' ہے ص/ ۲۳۸ پر ایک قصیدہ جناب سید العلماء کی مدح میں وہ ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

عَالِمٌ حِبْرٌ فَقِيْهٌ كَامِلٌ

سَامِكٌ سَامٍ سَمِيٌّ لِلْحُسَيْنِ

اس میں حسب ذیل اشعار میں اولاد سید العلماء کا ذکر ہے:

لَمْ تَزَلْ أَنْجَامُهٗ فِيْ اُفُقِهٖ

فَوْقَ فَرْقِ الدَّهْرِ مِثْلَ الْفَرْقَدَيْنِ

''ان کے ستارے ان کے افق علم میں تمام زمانہ کے سروں پر مثل فرقدین کے چمکتے رہے ہیں''

سَيِّمَا الْمَوْلٰى التَّقِيُّ الْمُتَّقِيُّ

اَعْلَمُ الْاَعْلَامِ اَتْقَى الْخَافِقِيْنَ

''بالخصوص مولانا سید تقی صاحب جو مشاہیر اہل علم میں اعلم اور تمام شرق وغرب میں پرہیزگاری میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں''

جناب مفتی صاحب قبلہ ایسی ذمہ دار شخصیت کا اعلم علماء اور اتقائے زمانہ کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اجازات اجتہاد

۲۸ ر برس کی عمر میں جب آپ کا آفتاب کمال خط نصف النہار پر تھا اور اکابر علماء میں آپ کی فضیلت تسلیم ہو چکی تھی تو ۱۲۶۲ھ میں آپ کے عم معظم جناب سلطان العلماء نے پہل فرمائی اور ۱۸ ر ربیع الاول کو اجازۂ اجتہاد مرحمت فرمایا اس کے بعد آپ کے والد ماجد جناب سید العلماء نے کافی بسیط اجازہ تحریر فرمایا جس میں بسط وتفصیل کے ساتھ آپ کی علمی وعملی رفعت پر روشنی ڈالی ہے۔اس کے بعد نجف اشرف سے شیخ الفقہاء جناب شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر الکلام نے بڑے گراں قدر الفاظ کے ساتھ اجازہ لکھ کر روانہ فرمایا یہ تینوں اجازے مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

مدرسہ سلطانیہ میں مدرس اعلیٰ:

جس طرح جناب غفرانمآبؒ ہندوستان کے سب سے پہلے مجتہد ہیں اور ان کے دور میں سب سے پہلی شیعہ نماز جماعت ہندوستان میں ہوئی ویسے ہی جناب سید العلماء

طاب ثراہ کے دور کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی تحریک پر سب سے پہلے شیعہ عربی مدرسہ کی بنیاد قائم ہوئی جسے امجد علی شاہ بادشاہ نے قائم کیا اور جتنے اس وقت کے جید علماء تھے سب اس کے مدرس قرار دئے گئے اور جناب سلطان العلماء اور سید العلماء دونوں بزرگوں کی تجویز سے اس کے مدرس اعلیٰ جناب جنت مآب قرار دئے گئے جس کے لحاظ سے بادشاہ نے آپ کے القاب میں ''ممتاز العلماء'' کے ساتھ فخر المدرسین کا اضافہ کیا۔

جامعیت علوم

جناب جنت مآب کا خاص فن تو فقہ واصول تھا جو معیار اجتہاد ہے اور اس میں باخبر افراد کی رائے یہ ہے کہ ان اسلاف کرام میں جناب سید العلماء اور جناب ممتاز العلماء کا مثل ونظیر سابقین ولاحقین میں کوئی نہیں ہوا یہاں تک کہ ہر دور میں بحیثیت فقہ واصول کے عراق کی مرکزیت مسلم رہی مگر جناب سید العلماء اور ممتاز العلماء کا کمال علمی وہ تھا کہ لکھنؤ ایک حدتک عراق کا مدمقابل ہوگیا تھا چنانچہ جناب سید العلماء کے لئے اس کا ثبوت جناب مفتی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے مجموعہ مکاتیب ''ظل ممدود'' سے ملتا ہے اس طرح کہ جناب مفتی صاحب نے صاحب جواہر کے نام ایک خط لکھا جس میں یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ کاش میں عراق آکر آپ سے فیوض علمیہ حاصل کرنے کا موقع پاتا۔ اس کے جواب میں صاحب جواہر نے تحریر فرمایا کہ آپ یہ سوچنا چھوڑ دیجئے اس لئے کہ جس ذات کے حلقۂ تدریس میں آپ مصروف استفادہ ہیں یعنی جناب سید العلماء اس کے بعد آپ کو قطعاً ضرورت اس کی نہیں کہ آپ کسی دوسری درسگاہ کے خواہش مند ہوں یہ اور بات ہے کہ آپ شرف زیارت حاصل کرنے کے لئے ان عتبات مقدسہ کی طرف آنے کے متمنی ہوں جس کی ہر مومن کو تمنا ہونا چاہئے۔ یہ خط صاحب جواہر کا جو جناب مفتی صاحب کے نام ہے ''ظل ممدود'' میں موجود ہے۔

اور جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کے لئے لکھنؤ کے مشہور مقدس ومتورع عالم دین جناب مولانا سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ (والد سرکار باقر العلوم طاب ثراہ) جو خود مراکز علمیہ جاکر وہاں کے علماء کے مراتب علم کا ذاتی مشاہدہ فرما چکے تھے اور ان کی شہرہ آفاق احتیاط اور تقدس کی بنا پر ان کے یہاں لحاظ رشتہ اور جانبداری کا تصور روا نہیں، نہ مبالغہ کا خیال درست ہے ایسی ذمہ دار شخصیت کا بیان ان کے فاضل شاگرد جناب مولوی سید محمد حسین صاحب نوگانوی نے اپنی کتاب ''تاریخ العلماء'' (ص/۶۹) میں بذیل حالات جناب جنت مآب درج کیا ہے اس طرح کہ:

''جناب مرحوم فرماتے تھے کہ آپ علمائے عراق سے فقہ واصول فقہ میں کم نہ تھے اکثر جناب ممتاز العلماء کے اوصاف بڑے وجد سے فرمایا کرتے تھے''

لیکن آپ فقہ واصول میں اس کمال کے ساتھ دوسرے علوم وفنون میں بھی امتیاز خاص کے مالک تھے چنانچہ فن نحو میں آپ کا ایک مستقل متن ''العباب فی علم الاعراب'' ہے جو نحو کی مشہور کتاب کافیہ سے زیادہ سلیس ہونے کی بناء پر افادیت کا حامل ہے اور سب سے بڑا کارنامہ جو تمام علوم وفنون میں آپ کے کمال کا آئینہ بردار

ہے وہ آپ کی تفسیر ''ینابیع الانوار'' ہے جس کی تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات کی ۲ جلدیں معرض تصنیف میں آسکیں جن میں مسائل علم کلام پر دوسرے متکلمین اور بالخصوص علامہ فخرالدین رازی سے ردوقدح میں مضبوط و مستحکم دلائل سے فکری گہرائی کے ساتھ زور بیان کی بھی اعلیٰ مثالیں ہیں یہ دونوں جلدیں خود آپ کے کتب خانے کے علاوہ جناب آغا ابو صاحب کے کتب خانہ میں بھی ہیں جو اب جامعہ سلطانیہ سلطان المدارس سے تعلق رکھتا ہے جہاں سے میں نے زمانۂ طالبعلمی میں ایک جلد مستعار لیکر تقریباً ایک مہینے کی قلیل مدت میں اپنے تین شاگردوں کی شرکت کے ساتھ جن میں ایک مرحوم ہو گئے یعنی حکیم سید محمد عسکری عرف پٹن صاحب مرحوم (مدیر مجلۂ الرضواں) اور دو بحمداللہ موجود ہیں ایک جناب مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد گجرانوالہ (پنجاب پاکستان) اور دوسرے حکیم سید محمد اطہر صاحب ممتاز الافاضل مدرس مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ اسے اپنے قلم سے نقل کیا ہے جو تقریباً سات سو صفحات کے قریب ہے اور وہ ہم لوگوں کی مشترکہ کوشش کی یادگار کے طور پر بحمداللہ میرے پاس موجود ہے۔

تصانیف

علاوہ تربیت و تعلیم کے ادارہ کے جیسے اپنے والد ماجد طاب ثراہ کے بعد آپ نے اگر مزید ترقی نہیں دی تو بلاشبہہ اس میں کمزوری بھی آنے نہ پائی جس کا بیان تلامذہ کے تذکرہ میں ابھی ہوگا، آپ کے قلمی خدمات کا بھی پلہ آپ کے والد علام جناب سید العلماء اور جد امجد جناب غفرانمآبؒ کی بہ نسبت سبک نہیں رہا بلکہ تفسیر قرآن کے شعبہ میں آپ کے کام کو خاص انفرادیت حاصل ہو گئی چنانچہ آپ کا بڑا ہی اہم کارنامہ یہی تفسیر يَنَابِيعُ الْاَنْوَارِ ہے جس کا تذکرہ ابھی آچکا اور جس کی طباعت کا کام آپ کے فرزند فردوس مکان جناب سید ابراہیم صاحب قبلہ کے دور میں شروع ہوا تھا جس کے بعض صفحات چھپے ہوئے ہم نے اپنی طالبعلمی کے دور میں کتب خانہ جناب جنت مآب طاب ثراہ میں دیکھے تھے جو بڑے سائز کے (تقریباً ۳۰×۲۰ ایک دو کی تقطیع پر) تھے مگر معلوم نہیں کن اسباب کی بنا پر پھر اس کی طباعت کا کام رک گیا اور مکمل نہ ہوسکا۔

دوسری اہم کتاب اصول فقہ میں شرح مقدمات حدائق ہے جس کے متعلق علامہ کنتوری اعلی اللہ مقامہ کی سوانح عمری سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا باقاعدہ درس ہوتا تھا جس میں ممتاز درجہ کے بڑے افاضل شریک ہوتے تھے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب بھی طبع نہیں ہوئی۔

(۳) هِدَايَةُ الْمُسْتَرْشِدِيْنَ شَرْحُ تَبْصِرَةِ الْمُتَعَلِّمِيْنَ یہ فقہ میں علامہ حلی کی مشہور کتاب تبصرہ کی شرح ہے۔

(۴) اِرْشَادُ الْمُبْتَدِيْنَ اِلىٰ اَحْكَامِ الدِّيْنِ فقہ کی استدلالی کتاب ہے جس کی ایک جلد جو کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے ۱۲۷۹ھ میں مطبع علوی علی بخش خاں میں طبع ہوئی ہے۔ اسکے ٹائیٹل پر جناب ابو صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کا لکھا ہوا تعارف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو جناب ناظم صاحب مرحوم نے (جن کا امام باڑہ مشہور ہے) طبع کرایا تھا۔

دیباچہ سے جو مصنف نے تحریر فرمایا ہے یہ پتا چلتا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اپنے فرزند جناب سید ابراہیم صاحب کے لئے استنباط احکام کا طریقہ بتانے کے لئے تحریر فرمائی تھی اور پھر ہر ایک مسئلہ میں احتیاط کی صورت پر روشنی ڈالی ہے۔آخر کتاب میں ختم تصنیف کی تاریخ اوسط ۱۲۷۳ھ تحریر ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب اپنے والد بزرگوار جناب سید العلماء کی وفات کے چند ماہ کے بعد اسی سال تحریر فرمائی ہے۔

(۵) مُرشِدُ الْمُؤْمِنِینَ اِلیٰ اَحْکَامِ الدِّینِ: یہ فارسی زبان میں مختصر رسالہ علمیہ ہے جو مقلدین کے لئے لکھا گیا ہے۔

(۶) غنیۃ المسائل: اس میں اصول دین اور مسائل فقہیہ کے متعلق مسائل کے تفصیلی جوابات ہیں۔بعض فارسی زبان میں بعض عربی میں۔یہ کتاب ۱۲۸۳ھ میں مطبع احمدی لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے جو ۱۶۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۷) نُخْبَۃُ الْمُعْجِزَاتِ فارسی: یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جو قدیم چھاپہ کی مطبوعہ ہے۔سال طباعت درج نہیں ہے۔

(۸) عُبَابٌ فِیْ عِلْمِ الْاِعْرَابِ: یہ فن نحو میں ایک نہایت ہی گرانقدر متن ہے جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

جناب عم معظم مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ اپنے چھوٹے فرزند، برادر محترم مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ سابق مدیر الواعظ کو جواب کراچی میں تشریف رکھتے ہیں یہ کتاب پڑھاتے تھے تو میں نے کمسنی میں اس کے اس قلمی نسخہ کو دیکھا تھا جو کتب خانۂ جناب جنت مآب طاب ثراہ میں ہے۔یہ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے۔

(۹) نخبۃ الدعوات: یہ دعاؤں میں مختصر رسالہ ہے جسکا اردو ترجمہ جناب تاج العلماء طاب ثراہ نے خلاصۃ الدعوات کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔اصل کتاب شاہی میں طبع ہوئی تھی اور یہ ترجمہ میر عابد علی صاحب مرحوم کے مطبع اثناعشری میں طبع ہوا۔یہ دونوں کتابیں میرے یہاں موجود ہیں۔

(۱۰) حدیقۃ الواعظین۔

(۱۱) نزہۃ الواعظین۔

(۱۲) لمعۃ الواعظین۔

یہ تینوں کتابیں میری نظر سے نہیں گذریں ہیں۔ ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں مواعظ کے مجموعے ہیں۔

(۱۳) رسالۃ فی جواز امامۃ الفاسق فی نفسہ: یہ عربی رسالہ اس بحث میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نزدیک صفت عدالت سے متصف نہ ہومگر مومنین عادل سمجھتے ہوں اور اسکے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہوں تو اسکا نماز پڑھانا درست ہے۔ یہ رسالہ آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت سید العلماءؒ کی زندگی میں لکھا تھا اور بہت ممکن ہے کہ یہی رسالہ صاحب جواہر کو بھیجا گیا ہے جس پر انہوں نے اجازۂ اجتہاد روانہ فرمایا اور اس رسالہ کی نجف اشرف کے علماء و افاضل میں شہرت ہوگئی تھی چنانچہ ظل ممدود میں نجف اشرف کے ایک عالم و ادیب جناب شیخ ابراہیم قفطان کا خط ہے جو انہوں نے جناب مفتی صاحب کے نام تحریر کیا ہے۔اس میں لکھا ہے:

وَاَنْ تَسْعٰی لِاِسْتِحْکَامِ عَقْدِ الْاِخَاءِ جَنَابِ نَاظُوْرَۃُ الْعُلَمَاءِ وَنَادِرَۃُ الْفُضَلَاءِ صَاحِبِ التَّحْقِیْقِ

الْغَرِيبِ الَّذِیْ هُوَ بِهٖ حَقِيقٌ وَذُو التَّدْقِيقِ الْاَنِيقِ صَاحِبِ التَّصْنِيفِ الْفَائِقِ فِیْ اِمَامَةِ الْفَاسِقِ جَنَابِ مُمْتَازُ الْعُلَمَاءِ الزَّكِيِّ السَّيِّدُ مُحَمَّدُ تَقِیُّ بْنِ خَلِيْ الْاِمَامِ السَّيِّدِ حُسَيْنٍ دَامَ فَضْلُهٗ۔

''میری استدعاء ہے کہ آپ میرے لئے کوشش فرمائیں روابط دوستی کے قائم ہونے میں میں جناب ممتاز العلماء مولانا سید محمد تقی فرزند جناب سید حسین دام ظلہ کے ساتھ جو عجیب تحقیق اور تدقیق کے مالک ہیں ،جنکی امامت فاسق کے مسئلہ میں بلند پایہ تصنیف ہے۔

(۱۴) دعوات فاخرہ: یہ عربی میں مستند دعاؤں کی کتاب ہے جسکا قلمی نسخہ میرے یہاں بھی ہے

(۱۵) الارشاد: آداب وفضیلت دعا

(۱۶) جواب مسئلہ طعام اہل کتاب فارسی

(۱۷) جواب مسئلہ قطع ید: عربی ،انگریزوں کے اثر سے اسپتالوں میں جو سرجری کے نئے نمونے سامنے آئے تھے انمیں ایک یہ تھا کہ کسی شخص کا لڑائی میں ہاتھ کٹ گیا۔مردہ کا ہاتھ کاٹ کر اس زندہ کے لگا دیا گیا اور وہ اب اسکا جزو جسم ہوگیا کہ اسمیں خون کی روانی پیدا ہوگئی۔اب بحث چلی کہ یہ تو میتہ کا جزہے جو نجس العین ہوتا ہے ۔اسکے ساتھ نماز کیونکر درست ہوگی؟ پھر یہ کہ وضو میں اس ہاتھ کے لئے کیا کیا جائے؟

جناب جنت مآب نے اس کا مفصل جواب عربی میں تحریر فرمایا۔پھر بعض حضرات نے اس سوال کو عراق بھیجا تو جناب شیخ زین العابدین مازندرانی نے بھی اسکا تفصیلی جواب لکھا۔میں نے یہ دونوں جواب دیکھیں ہیں۔

جیسا کہ پہلے آچکا ہے اس دور میں ہندوستان کے اس مرکز علمی لکھنؤ کو عراق سے کم نہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے خود یہاں کے علماء کو بھی ان کے مقابلہ میں احساس کمتری نہ تھا چنانچہ مشہور ہے کہ جناب جنت مآب کے سامنے جناب شیخ کے جواب کا تذکرہ ہوا تو آپ کی زبان پر یہ جملہ آیا کہ ''ھم رجال و نحن رجال'' ''وہ مرد میدان ہیں اپنی جگہ ہم مرد میدان ہیں اپنی جگہ'' یعنی انکی تحقیق جو ہو وہ انکے ساتھ ہے اور ہماری تحقیق جو ہے ہمارے ساتھ ہے۔

تاریخ العلماء میں ہے کہ ۱۲۸۹ھ میں جناب علامۂ کنتوری نے ''اخبار الاخیار'' جاری فرمایا تھا اس میں ایک حصہ کا نام'' جامع المسائل'' تھا جس میں جناب جنت مآب کے فتاویٰ طبع ہوتے تھے اور مسائل کا آپ کے یہاں باقاعدہ دفتر تھا اور مسائل کی درآمد برآمد باقاعدہ درج ہوتی تھی۔

تلامذہ

جیسا کہ ہم نے جناب رضوان مآب کے حالات میں لکھا ہے کہ جناب غفرانمآب کے بعد تربیت وتعلیم طلاب اور یوں سمجھنا چاہئے کہ مستقبل کے افراد کی تعمیر کا کام جوان کے چھوٹے فرزند جناب سید العلماء اعلیٰ اللہ مقامہ کے ذمہ رکھا گیا تھا اب جناب سید العلماء کے بعد اس ادارہ کو عملی طور پر ان کے جانشین جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ نے سنبھالا اور جناب سید العلماء کے بعد یقینی طور پر یہ کہنا درست ہے کہ جتنے اکابر علماء اور ممتاز صاحبان کمال جناب

جنت مآب کے حلقۂ درس سے نکلے انکی نظیر نایاب ہے۔ یہاں تک کہ بعض صاحبان کمال کے نام جو اس عصر کے کسی اور بزرگ کے تلامذہ میں نظر آتے ہوں وہ صرف معقولات یا ادب وغیرہ کسی شعبہ میں استفادہ کی وجہ سے انکے تلامذہ میں درج ہیں ورنہ فقہ و اصول کی تعلیم اور اجتہادی کمالات کی تحصیل بلا شبہ انہوں نے جناب ممتاز العلماء ہی کے حوزۂ علمیہ میں کی ہے چنانچہ صاحب تاریخ العلماء نے بھی لکھا ہے کہ:

''آپ کے اکثر تلامذہ مجتہد ہوئے اور بہت سے افاضل اطراف ہند میں پھیلے ہوئے تھے۔''

ان میں سے چند بزرگوں کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱) آپ کے فرزند جناب سید العلماء الثانی حجۃ الاسلام شمس العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ فردوس مکاں جو آپ کے بعد آپ کے جانشین قرار پائے اور مرجع خلائق ہوئے۔

(۲) عماد العلماء مولانا سید مصطفی عرف میر آغا صاحب قبلہ جنکی فقاہت اور استحضار مسائل کی خصوصیت اپنے دور میں مسلم تھی اور جناب فردوس مکان کے بعد مرجع عام ہوئے۔

(۳) فقیہ دوران جناب مولانا سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ جنکی تحریک سے سلطان المدارس اور ناظمیہ دونوں مدرسوں کا وجود ہوا۔

(۴) مولانا حیدر علی صاحب قبلہ جو اپنے وقت میں فن تدریس کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت کے حامل رہے اور بہت سے بزرگ مرتبہ افراد کے استاد تھے۔

(۵) مولانا سید عمار علی صاحب سونی پتی جن کی تفسیر ''عمدۃ البیان'' اردو میں مشہور و معروف ہے۔

(۶) علامۂ کنتوری مولانا حکیم سید غلام حسنین مرحوم مترجم قانون شیخ و مصنف مأ تین و انتصار الاسلام وغیرہ آپ علاوہ علوم دینیہ کے طب اور سائنس اور مسمریزم وغیرہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔

آپ نے اپنی سوانح عمری میں جناب جنت مآب سے اپنے تلمذ اور خصوصیت خاص کا شرح و بسط کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے۔

(۷) جسٹس کرامت حسین صاحب جنکی کتاب ''فقہ اللسان'' عربی ادب میں ایک کارنامہ کی حیثیت رکھتی ہے اسکے علاوہ علم کلام میں بھی انکے بعض تصانیف موجود ہیں

(۸) مولانا سید ابوالقاسم قمی لاہوری مصنف تفسیر لامع التنزیل جنہوں نے پنجاب میں شیعیت کو فروغ دیا۔

(۹) مولانا سید مکرم حسین صاحب جلالی ضلع علی گڈھ کے جلیل المرتبہ عالم تھے۔ آپ کا کتب خانہ وقیع حیثیت رکھتا تھا۔

(۱۰) خواجہ عابد حسین صاحب سہارنپوری مصنف یا علی مدد و انذار الناظرین وغیرہ جن کی کتابوں کے سلسلہ میں ایک طویل مباحثہ ان میں اور مولوی محمد مرتضیٰ صاحب جونپوری مرحوم میں عرصہ تک جاری رہا تھا۔

(۱۱) مولانا سید باقر حسین صاحب۔ انکے والد بزرگوار جناب سید محمد حسین صاحب جناب سید العلماء کے تلامذہ میں تھے اور یہ جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کے شاگرد تھے اور

جناب جنت مآب ہی کے قرب میں سکونت اور عزیزانہ روابط رکھتے تھے۔ اب بھی انکی اولاد ہمارے محلہ میں حسینیہ جنت مآبؒ کے پہلو والے مکانات میں موجود ہے۔ اور ان حضرات کے ویسے ہی خصوصیات ہمارے ساتھ ہیں۔

(۱۲) مولانا علی میاں صاحب کاملؔ جو کافی ذی علم بزرگ تھے مگر شہرت ان کی کامل الفن شاعر اور لسان القوم مولانا صفیؔ مرحوم کے استاد کی حیثیت سے زیادہ ہوئی۔

(۱۳) مولوی سید غلام محمد صاحب ساکن ریواڑی امام جمعہ و جماعت جے پور۔

(۱۴) خواجہ ابراہیم حسین صاحب پانی پتی۔

(۱۵) جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوجؔ فرزند و جانشین مرزا دبیرؔ اعلی اللہ مقامہ

(۱۶) مولوی ہزبر علی صاحب مرحوم جن کا تذکرہ تلامذۂ جناب جنت مآب کے سلسلہ میں علامۂ کنتوری کی سوانح عمری میں بھی موجود ہے۔

(۱۷) مولوی سید حسن صاحب

(۱۸) نواب اعلیٰ جاہ

(۱۹) نواب والا جاہ

یہ دونوں لکھنؤ کے بزرگ مرتبہ روساء میں سے تھے اور دونوں علوم دینیہ میں فارغ التحصیل تھے بلکہ ان میں سے ایک بزرگ کو عراق سے اجازات بھی حاصل ہوئے تھے۔

(۲۰) جناب آغا مہدی حسین صاحب عرف آغا ابو صاحب رئیس لکھنؤ و متولی وقف حسین آباد سابق الذکر کے فرزند تھے یہ بھی جناب جنت مآب کے شاگرد اور صاحب علم تھے۔ انکا عربی و فارسی کتب کا قیمتی ذخیرہ جامعۂ سلطانیہ سلطان المدارس کی لائبریری کی حیثیت سے محفوظ ہے۔

(۲۱) مولوی منیب خاں رامپوری یہ فاضل اہل سنت میں سے تھے جنکا صاحب تاریخ العلماء نے تلامذۂ جناب جنت مآب میں ذکر کیا ہے۔

(۲۲) جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب جو جناب سلطان العلماء کے اخلاف میں سے اور صاحب تصانیف تھے۔ انکا بھی ذکر تاریخ العلماء میں آیا ہے۔

وصیت نامہ

۷/اپریل ۱۸۶۹ء میں جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب تھا آپ نے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا جو رجسٹری شدہ ہے۔ اسمیں اپنے فرزند جناب سید ابراہیم صاحب کو اپنا وصی اور جانشین مقرر فرمایا اور تمام اوقاف جن کی تولیت آپ سے متعلق تھی ان اوقاف کا متولی بھی ان کو قرار دیا۔

اس وصیت نامہ کے بعض اجزاء کا آخر میں بسلسلہ آثار تعمیری تذکرہ کیا جائےگا۔

وفات

مَوْتُ التَّقِیِّ حَیٰوةٌ لَا نَفَادَ لَهَا
قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِیْ النَّاسِ اَحْیَاءٌ

ماہ رمضان ۱۲۸۹ھ میں ہیضہ کی وبا کا زور ہوا۔ اس میں مبتلا ہو کر صرف ایک دن کی علالت میں آپ کی وفات ہوئی۔

تاریخ العلماء ص/۱۰۰ میں ہے کہ جناب سید المحدثین نے مجالس علویہ میں تحریر فرمایا ہے کہ

''جناب ملکی ملکات ،قدسی صفات جناب ممتاز العلماء عطر اللہ مضجعہ ۲۲/ماہ رمضان تک نماز جماعت ووعظ میں مصروف رہے بلکہ ۲۳/تاریخ میں دس بجے دن تک مقابلہ میں تفسیر کے جو تصنیف فرماتے تھے مصروف رہے اور اسی شب کو تین بجے انتقال کیا''۔

جنازہ میں تمام اکابر جیسے جناب مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی جو جناب غفرانمآبؒ کے شاگرد تھے اور جناب مفتی صاحب قبلہ ،مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ ،مولانا شیخ تفضّل صاحب فتح پوری ،مولانا تفضّل حسین صاحب سنبھلی وغیرہ تلامذۂ جناب سید العلماء اور بزرگان خاندان میں جناب ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب قبلہ اور تاج العلماء سید علی محمد صاحب قبلہ تھے سبھی موجود تھے لیکن بحیثیت طبقہ ان میں کی سب سے بزرگ فرد جناب مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ نے جناب مرحوم کے فرزند جناب سید العلماء مولانا سید ابراہیم صاحب قبلہ طاب ثراہ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو آگے بڑھایا اور تمام اکابر علماء و اعیان، شہزادگان، رؤساء اور ہزاروں مومنین کرام نے جو مشایعت جنازہ میں شریک تھے آپ کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی اور آپ خود اپنے امامباڑہ میں جسکا تذکرہ ابھی آثار تعمیری کے ذیل میں آئیگا دفن ہوئے۔

تصانیف اور تلامذہ کے علاوہ یہ آثار بھی وہ ہیں جنکی بدولت شاعر کا مذکورہ بالا شعر بالکل صحیح ہے۔

مَوْتُ التَّقِی حَیَاۃٌ لَا نَفَادَ لَھَا

جناب مفتی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے یہ تاریخ نظم فرمائی

مَوْلٰی بِوَفَاتِہٖ التَّقِیْ کاملیت
وَالْعِلْمُ سَاجِدٌ بِغَیْرِ الزَّیْتِ
یَا اٰلَ مُحَمَّدٍ تَقِیٍّ صَبْرًا
قَدْ اَیْتَمَکُمْ فَقِیْہُ اَھْلِ الْبَیْتِ
۹ ۸ ۲ ۱ ھ

اولاد واخلاف

جناب جنت مآب کے زوجۂ اولیٰ سے جو وطن کے قدیم سلسلۂ خاندانی سے تعلق رکھتی تھیں تین صاحبزادے تھے اور دو صاحبزادیاں۔

(۱) جناب سید العلماء حجۃ الاسلام الحاج سید محمد ابراہیم طاب ثراہ جو اکمل اولاد اور اپنے سلف صالحین کے جانشین تھے

(۲) جناب سید حسن صاحب جنکے لئے صاحب تاریخ العلماء نے لکھا ہے کہ

''اجازۂ پیشمازی تھا میں بھی خوب واقف تھا جو نہایت مقدس تھے''

(۳) جناب سید علی صاحب

(۴) ایک صاحبزادی جو جناب سید محبوب حسین صاحب مرحوم کو منسوب تھیں

(۵) دوسری صاحبزادی جو جناب عماد العلماء میر آغا صاحب طاب ثراہ کو منسوب ہوئیں۔

ان کے علاوہ مختلف ازواج سے متعدد بزرگ

تھے جن میں سے بعض ہمارے زمانے میں بھی موجود تھے جیسے جناب سید ابوذر صاحب، جناب حاجی سید یونس صاحب، سید جابر صاحب،

ایک صاحبزادی وہ تھیں جو جناب ابو صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کو منسوب ہوئیں جن کے فرزند مولانا سید جعفر صاحب اور باقر العلوم استاد علام مولانا سید باقر صاحب اور ہادی الملۃ سید ہادی صاحب مرحوم تھے۔

تعمیری آثار

جناب جنت مآب طاب ثراہ کے پاس متعدد اوقاف ایسے تھے جو دوسرے حضرات کے وقف کردہ تھے اور آپ انکے متولی تھے جیسے تحسین علی خاں جنکی شاندار مسجد وسط شہر میں ہے اور سوا مسجد آصفی اور جمعہ مسجد کے شہر کی مسجدوں میں سب سے بڑی ہے اور اس سے ملحقہ دو کانیں اور مکانات اور تحسین علی خاں خورد جن کی جائداد باورچی ٹولہ میں تھی اور میر باقر سوداگر اعلی اللہ مقامہ جن کا امام باڑہ جوہری محلہ میں مشہور و معروف ہے ان سب کے علاوہ ذاتی طور پر جناب جنت مآب نے خود اپنی جائداد میں سے کافی آثار کی تشکیل فرمائی جن میں سے اکثر کسی نہ کسی صورت میں اب تک قائم و برقرار ہیں

(۱) کتب خانہ

یہ آپکی سب سے بیش قیمت یادگار ہے جس میں قلمی نوادر اتنی تعداد میں ہیں جنکی مثال کسی دوسرے کتب خانہ میں مشکل سے مل سکتی ہے مولوی سید محمد حسین صاحب نوگانوی رقم طراز ہیں:

''آپ کا کتب خانہ بھی بے مثل ہے جو وقف علی الاولاد ہے'' 　　تاریخ العلماء، ص/۶۹

وصیت نامہ جناب جنت مآب میں جس کا ذکر ہو چکا ہے کتب خانہ کے لئے یہ صراحت ہے کہ اسکی تولیت ہر دور میں اعلم اولاد سے مختص ہوگی۔

(۲) مکانات

محلہ نخاس میں جو وکٹوریہ اسٹریٹ (سڑک) کے نکلنے کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گیا متعدد مکانات کا ایک سلسلہ تھا جنہیں بنظر اعانت اکثر تلامذہ و متوسلین کو رہنے کے لئے دیا گیا تھا جنکی تفصیل وصیت نامہ مذکورہ میں موجود ہے۔

ان مکانات کے متعلق بھی وصیت نامہ میں صراحت ہے کہ جب میری اولاد کو ضرورت ہو تو یہ حضرات جو ان مکانات میں مقیم ہیں ان مکانات کو اولاد کی خاطر خالی کر دیں اہل علم کو محسوس ہونا چاہئے کہ اس قسم کی شرط وقف عام میں نہیں ہو سکتی اس شرط کا تحریر کرنا ان مکانات کے بھی وقف خاص ہونے کا قطعی ثبوت ہے۔

(۳) امامباڑہ

جس وقت تک جناب جنت مآب کا وصیت نامہ لکھا گیا ہے امامباڑہ کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اس لئے اس وصیت نامہ میں امام باڑہ کا کوئی ذکر نہیں ہے یہ امام باڑہ اس کے بعد تعمیر ہوا جس میں سب سے پہلے آپ ہی دفن ہوئے اس وقت تک وہ وقف بھی نہیں ہوا تھا۔

بعد میں ورثہ جناب جنت مآب طاب ثراہ نے جواز روئے وصیت نامہ اس تمام جائداد کے خصوصی مالکین تھے۔ جب املاک کو آپس میں تقسیم کیا تو امام باڑہ کے متعلق سب نے متفقہ طور پر یہ مناسب سمجھا کہ یہ کسی کی ملک خاص نہ ہو بلکہ تمام اولادِ جناب جنت مآبؒ کے لئے وقف کر دیا جائے چنانچہ اس ذیل میں ایک نقشہ تقسیم باہمی مرتب ہوا جس پر تمام ورثہ کے دستخط اور مہریں ہیں اس نقشہ میں امامباڑہ دکھایا گیا ہے اور اسکے باہر کے دالان کے چوہدی کے اندر جناب سید العلماء سید ابراہیم صاحب قبلہ کے قلم سے لکھی ہوئی یہ لفظیں ہیں

''امامباڑہ وقف خاص بر اولاد و ازواج و اصہار و ازواج اولاد''

یہ امام باڑہ بحمد اللہ اب تک قائم و برقرار ہے لیکن اسکی عمارت امتداد ایام سے طلبگار تجدید ہے۔

فقیہ اہلبیت علیہ السلام عماد العلماء

سید محمد مصطفیٰ، میر آغا مجتہد علیین مآب

حجۃ الاسلام مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

عماد العلماء مولانا سید محمد مصطفیٰ بن عمدۃ العلماء سید محمد ہادی۔ ربیع الاول ۱۲۵۳ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے پدری، مادری اور سببی رشتے آلِ غفران مآبؒ سے تھے۔ رسمِ لکھنؤ کے مطابق فنونِ سپہ گری سیکھے اور فقہی ماحول اور اجتہادی روایت کی بنا پر تعلیم وتربیت حاصل کر کے اپنے والد، اپنے بھائی سید مہدی (متوفی ۱۲۷۶ھ) اپنے ماموں خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ (متوفی ۱۲۷۶ھ) اور ممتاز العلماء سید محمد تقی (متوفی ۱۲۸۹ھ) سے منقولات ومعقولات میں پوری طرح کمال حاصل کیا اور فقہ واصول میں اجازۂ اجتہاد پایا۔ حدیث کی روایت اپنے اجداد سے کی۔ علماء نجف وکربلا میں حجۃ الاسلام آخوند ملا حسین اردکانی کربلائی حجۃ الاسلام سید علی بحر العلوم صاحب نجفی برھان قاطع نے آپ کی فقہی بصیرت دیکھ کر اجازہ دیا۔

جناب سید محمد مصطفیٰ (جن کا تاریخی اور زبان زد نام میر آغا) شرعی معاملات میں بے حد محتاط اور فقہ میں غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے۔ جناب ممتاز العلماء سید محمد تقی کے بعد برِّ صغیر کی مرجعیت اور اعلمیت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ اپنے دادا سلطان العلماء اور ماموں ممتاز العلماء کے تمام مقلدین کے علاوہ حلقۂ تقلید میں مزید وسعت دیکھی اور کم وبیش چالیس سال تک شیعہ عوام وخواص طلباء وعلماء کے مرجع عقیدت رہے جناب میر آغا صاحب قبلہ نے مرجع اعظم کے تمام خصوصیات موجود تھے۔ عارف باللہ، متقی، ذہین، زکی، خلیق، ہمدرد، سخی، معاملات میں سوجھ بوجھ، منوّر الفکر، باخبر اور محنتی تھے۔ طلبا کو درس، ملاقاتیوں سے میل جول، سینکڑوں خطوں اور مسئلوں کے جواب مصروفیت اور شب وروز کا کام۔ اور کمال احتیاط کا عالم یہ تھا کہ فتوے اور خطوں کے جواب خود لکھتے۔ لفافے خود بند کرتے تھے۔ لوگ اصرار کرتے تھے کہ محرر یا سیکریٹری رکھ لیں مگر آپ اسے نا منظور فرماتے اور اسے شرعی ذمّے داری کے خلاف سمجھتے تھے۔ جناب ظہیر العلماء مولانا سید ظہور حسین صاحب فرماتے تھے کہ جناب میر آغا صاحب نے متعدد ایسے فقہی مسائل حل کیے جو آپ کے خاندان میں لاینحل چلے آرہے تھے اس کے علاوہ صرف ونحو، ہیئت وادب عربی میں ایسی دسترس تھی کہ بعض اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن کا ذکر فہرست میں آئے گا۔

عوام سے اتنی قربت ومحبت تھی کہ لوگ آپ کو محبوب سمجھتے تھے۔ ہر شخص ادب واحترام کرتا تھا۔ آصف الدولہ کی مسجد میں امام جمعہ وجماعت تھے۔ لوگ اس دن

آپ کی زیارتِ عام سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ ملک کے اخبارات ورسائل میں آپ کے فتوے چھپتے، شعرا آپ کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے۔ معصوم علی عرف جلال شاہ کے قصیدے کے پانچ شعر دیکھئے جن سے آپ کے اوصاف وکمالات پر روشنی پڑتی ہے۔

قبلہ وکعبۂ دارین فقیہ ذی شان
افتخار علماء، افسر اہلِ عرفاں
صاحب ورع وصفا، تابعِ احکام خدا
عالم و عادل و عابد، شرفِ متقیاں
بارک اللہ، عماد العلماء، سلمکم
حبذا عالم عالی گہروالا شاں وصف
ذرے سے ہو کیا مہر منور کا رقم
میں ہوں اک ذرہ ناچیز، وہ مہر تاباں
سر پہ سب شیعوں کے دنیا میں انہیں اے معصوم
صد وسی سال سلامت رکھے خلاق جہاں

شہرت واقتدار کا پچاس سالہ آفتاب نصف النہار کو پہنچا۔ مرض نے صاحب فراش کیا اور پنج شنبہ ۱۱ر رمضان ۱۳۲۳ھ کو پیغام اجل پہنچ گیا۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔ دریا پر غسل وکفن کا انتظام ہوا۔ (لکھنؤ کا دستور تھا کہ علماء واکابر و رؤساء کے جنازے دریا پر لے جا کر غسل دیتے تھے) غفرانمآب کے امامباڑے میں دفن کئے گئے۔

جناب میر آغا صاحب نے ایک لاکھ سے زیادہ فتوے اور سوالوں کے جواب لکھے جنہیں محفوظ نہ کیا جاسکا۔ لیکن اسکے علاوہ قلمی تالیفات انکے خاندان میں محفوظ اور کچھ شائع شدہ ہیں۔

تصانیف

فَرَائِدُ بَهِيَّةُ فِیْ مَسَائِلِ الْاِثْنَا عَشَرِيَّةِ الْاِسْتِدْلَالِيَّةِ، طبع لکھنؤ ۱۳۰۵ھ (عربی وفقہ)۔ حَاشِيه بَر شَرح کَبیر کِتَابُ الطَّهَارَاتِ (عربی)۔ يَوَاقِيتُ فِیْ اَحْكَامِ الْمَوَاقِيتِ (عربی) فقہ، قلمی۔ حواشی شرح لَمْعَةِ، عربی، قلمی، فقہ۔ حواشی زُبْدَةُ الْاُصُوْلِ عربی، قلمی، فقہ۔ حواشی مَبَادِیُ الْاُصُوْلِ، عربی، قلمی، اصول فقہ۔ حواشی نَتَائِجُ الْاَفْكَارِ، عربی، قلمی، اصول فقہ۔ خَزِيْنَةُ الْمَسَائِلِ اصول و فقہ، چار جلدیں، عربی۔ مَسَائِلُ مُتَفَرَّقَةٌ۔ هِدَايَتُ الْعَوَامِ، فقہ وعقائد، اردو مطبوعہ۔ کتاب الصلواۃ، ترجمہ اردو۔ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ، فقہ۔ تُحْفَةُ الْعَابِدِيْنَ، فقہ۔ زَادُ الْمُسَافِرِيْنَ۔ رسالۂ طہارت نسواں، فقہ۔ اردو ترجمۂ اَحْكَامُ النِّسَاءِ، فقہ۔ تَشْحِيْذُ الْاَذْهَانِ فِیْ اَرْكَانِ الْاِيْمَانِ در اصول دین با ترجمہ اردو غیر مطبوعہ۔ مُعَرَّبُ عَيْنِ الْحَيَاتِ۔ رسالہ در مصائب حضرت سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ علیہ السلام، عربی۔ مواعظِ فاخرہ اردو۔ عقائد امامیہ۔ جدول احکام ضروریہ۔ تُحْفَةُ السَّائِلِيْن۔ كِفَايَةُ السَّائِلِيْنَ۔ دَفْعُ الشُّبْهَاتِ۔ احکام مصطفویہ۔ جَوَابَاتُ مَسَائِلَ مُشْكِلَة۔ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ۔ نَجَاتُ الدَّارَيْنِ۔ عُجَالَةُ مَفْجِعَةٌ در عقد ام کلثوم (تاریخ)۔ شرح دعائے عدیلہ (اوراد)۔ نُخْبَةُ الْاَذْكَارِ اوراد فارسی، مطبوعہ۔ حواشی شرح جامی، نحو، عربی۔ شرح ثانیہ صرف عربی۔ حواشی تَشْرِيحِ الْاَفْلَاكِ، ہیئت۔

مولانا سید ابوالحسن (جناب ابّو صاحب) مجتہد طاب ثراہ

حجۃ الاسلام مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

جناب مولانا سید ابوالحسن بن سید علی شاہ کشمیری، فقہ واصول کے مشاہیر علماء میں ہیں۔ آپ جمعہ کے دن ۱۷؍ ربیع الاول ۱۲۶۰ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ''خورشید علم'' تاریخ ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اور والد بھی خاص توجہ سے عبادت وریاضت کی تربیت فرماتے تھے مثلاً جب نماز شب کیلئے بیدار ہوتے تو فرزند کو مطالعہ کے لئے اٹھاتے تھے۔ نماز تہجد سے فارغ ہوکر ایک سبق پڑھاتے تھے۔ نو سال کے تھے جب والد علام نے رحلت فرمائی۔ اس لئے دوسرے اساتذہ سے رجوع کی۔ چودہ سال کی عمر میں کمال علم کو پہنچے۔

عقائد وکلام کی مفصل کتاب عماد الاسلام جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب اور فقہ واصول ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب سے پڑھی۔ دورانِ درس مطالعہ ذہانت اور قوت کا یہ عالم تھا کہ اکثر بحث میں دو دو دن صرف ہو جاتے اور اساتذہ کو تیاری کرنا پڑتی تھی۔

جوانی ہی سے زہد وتقویٰ میں بے مثال، تقریر ودرس ووعظ میں باا ثر خطیب وفقہ واصول میں کئی استدلالی رسالوں کے مؤلف جن کی ممتاز العلماء نے بہت تعریف کی۔

مفتی محمد عباس صاحب بھی اپنے ان شاگردِ خاص پر نازاں تھے، آخر میں جب کلکتہ جانے لگے تھے تو لکھنؤ آکر خاص طور سے اپنے شاگردِ محترم سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔ سید ابو صاحب قبلہ مفتی صاحب کے پاس بیٹھتے تو لوگ بے حد احترام سے دونوں بزرگوں کو دیکھتے اور کہتے تھے کہ بڑی نورانی مجلس ہوتی ہے۔ بائیس سال کی عمر میں یہ عالم تھا جب جناب مفتی صاحب ''شریعت غرّا'' پر نظر ثانی کرنے بیٹھے تو بہت سے اہلِ علم کو شریکِ مشورہ فرمایا۔ جس کی نظر میں جو بات آتی وہ عرض کر دیتا، لیکن جناب ابو صاحب کا یہ دستور تھا کہ آپ تامل فرماتے اور جناب مفتی صاحب بلا استفسار وجہ تامل وہ عبارت قلم زد کرتے دیتے تھے۔

سنا ہے کہ قبل بلوغ آپ کے پاس چار سو روپیہ تھا، بعد بلوغ کسی نے قرض لے لیا اور واپس نہ دیا، لیکن بشدتِ ورع بعد بلوغ احتمالِ وجوب کی بناء پر ۱۲۸۳ھ حج فرمایا۔

ذی الحجہ کا مہینہ تھا، آپ مصروفِ درس تھے اور گھر کے ملازم سامانِ عزا اور استقبالِ محرم کا انتظام کر رہے تھے۔ آپ کی نظر کسی چیز پر پڑ گئی۔ چہرے کا رنگ بدل گیا اور یہ عالم ہوا جیسے کوئی چیز کھو گئی ہے۔ کسی نے سبب پوچھا تو

یہ نہیں فرمایا کہ امام حسینؑ کی یاد میں ایسا ہو رہا ہے۔ بلکہ فرمایا: ڈرتا ہوں کہ دل میں کوئی خیال، منافی اخلاق نہ آجائے۔

سیفؔ صارم میں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔شدّت احتیاط سے شاید ہی کسی مسئلے پر دستخط فرماتے ہوں''۔علاوہ صفاتِ حسنہ کے طلاب پر باپ سے زیادہ مہربان کسی کی غیبت اشارۃً وکنایۃً کوئی کرے تو فوراً روک دیتے تھے۔غربائے مومنین کو حقیر نہ جانتے، حاجت مند کی سفارش کرنے میں عذر نہ کرتے تھے۔

ماہ مبارک وعیدالفطر کے لئے الہٰ آباد تشریف لے جاتے تھے، وہاں جمعہ وجماعت وموعظہ فرماتے، جمعے کے بعد آپ کے یہاں مجلس ہوتی، مجلس میں عموماً اس قدر روتے کہ دیکھنے والوں کو رقت طاری ہو جاتی تھی۔شبِ جمعہ امام باڑہ غفران مآبؒ میں فاتحہ خوانی کے لئے آتے اور طلباء کو بڑے شیریں الفاظ میں فاتحہ خوانی کی طرف توجہ دلاتے۔

انسانی صورت میں فرشتہ تھے۔اخلاق واخلاص، ایمان وعملِ صالح، علم وفقاہت میں اولین واصحاب ائمہ کی مثال تھے۔

علامہ کنتوری لکھتے ہیں (سوانح علامہ) ۱۲۸۹ھ کے قریب مدرسۂ ایمانیہ کی بنیاد ڈالی لیکن وہ چند ماہ بعد بند ہو گیا تو آپ اس قدر کبیدہ خاطر ہوئے کہ ترک وطن وہجرت عراق پر آمادہ ہوئے۔لیکن ہمت نہ ہارے اور کئی مدرسے قائم کیے جن میں سے دو مدرسے اب تک برقرار ہیں ایک مرزا محمد عباس خاں صاحب کی تائید سے جو مدرسۂ ناظمیہ کہلاتا ہے۔اور جناب مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں نجم العلماء کو دے دیا تھا، دوسرا وقف حسین آباد کی تائید سے ۱۸۹۴ء میں مدرسۂ سلطان المدارس کے نام سے یہ دونوں مدرسے اب تک جاری ہیں۔آپ فقہ واصول کا درس اس اعلیٰ پیمانے پر دیتے تھے کہ نجف وکربلا کا لطف آتا تھا۔

۱۴/رمضان ۱۳۱۲ھ کو دفعتاً کربلا کے چھٹے بلکہ آخری سفر کے لئے تیار ہو گئے، لوگوں نے بہت روکا مگر نہ رکے۔جب مومنین نے ہم رکاب ہونے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ لکھنؤ میں نہیں ٹھہر سکتا۔بمبئی آجایئے۔

۲۴/محرم ۱۳۱۳ھ چہارشنبہ علی الصباح کربلاء معلّٰی میں رحلت فرمائی۔جناب باقر العلوم سید محمد باقر صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دروازۂ زینبیہ کے قریب مقبرہ کا بلین حجرہ نواب صاحب میں دفن ہو گئے۔

جناب ابو صاحب کی وفات پر خطیبِ اعظم مولانا سبطِ حسن صاحب کا مرثیہ ہے:

هُوَجَبَلٌ مِنْ آلِ عَدْنَا نَ رَاسِيًا
فَاَمْسَتْ بِقَاعُ الْاَرْضِ اَرْجَفَهَا هَدُّهٗ
قَضٰی نَحْبَهٗ وَالدَّهْرَيَغْشَاهٗ صِيْتُه
وَلَمْ يُلْفِ بَحْرٌ فِیْ الْوَرٰی جُزْرَهٗ مُدَّهٗ
لَقَدْ كَانَ حَيًّا آيَةَاللّٰهِ فِی الْوَرٰی
وَفِیْ الْقَبَرَ اَمْسٰی مُصْحَفاً حَازَهٗ جِلْدُهٗ
تَحَرّٰی الْعِرَاقُ مِنْهُ سَيْفًامُهَنَّدًا
فَيَا حَبَّذَا سَيْفٌ، وَيَاحَبَّذَا غِمْدُهٗ
فَاَرّخْتُ عَاماً حَلَّ قَيْدَ ضَرِيْحِهٖ
بَكَتْهُ جُفُوْنُ الشَّرْعِ، نَاحَ لَهٗ مَجْدُهٗ
۳ ۱ ۳ ۱ ۵

اولاد: مولانا سید زین العابدین متوفی کربلا ۱۳۱۳ھ

مولانا سید محمد جعفر متوفی ۱۳۱۰ھ

باقر العلوم مولانا سید محمد باقر مجتہد متوفی کربلا ۱۳۴۶ھ

مولانا سید محمد ہادی صاحب متوفی کربلا ۱۳۵۷ھ

شاگرد: ثانی علم الہدیٰ سید علامہ مرتضیٰ۔ محمد صادق صاحب کھجوی۔ نجم العلماء نجم الحسن صاحب ، ظہیر العلماء سید عابد حسین بھیک پوری۔ علامہ سبطِ حسین صاحب کربلائی اجتہادی۔ سید محمد کاظم کشمیری۔ سید مہدی حسن صاحب۔ سید احفاد الحسن صاحب بھیرہ غازی پور۔ سید محمد علی۔ ان کے علاوہ بہت سے مشاہیر۔

تصانیف: شرح فصول تا بحث نبوت۔ اربعین وشرح اربعین۔ (درثمین) تعلیقات شرح اربعین شیخ بہائی۔ حواشی شرح کبیر۔ حواشی بر رسائل شیخ مرتضیٰؒ ۔ حواشی قوانین الاصول۔ حواشی بعض مقامات فصول ۔ تعلیقات منہج الیقین علامہ حلیؒ ۔ رسالہ تحقیق مسئلہ نجاست ماء قلیل ۔ رسالہ تحقیق حکم تغیر تقدیری ۔ رسالہ حرمتِ نظر، برزنِ اجنبی ۔ رویت ہلال قبل از زوال ۔ رسالہ در حکم تخلل در بین الایجاب والقبول ۔ خیر الزاد، عقائد (عربی)۔ تَرَاجِمُ عُلَمَاءِ الْکَامِلِیْنَ احوال مخصوص وایام ولادت و وفات۔ رحیق مختوم حالات بحر العلوم ۔ نغمۃ الورقاء (مکاتیب عربیہ)۔ غلالۃ الصافیہ فی حل لغز الکافیہ کی شرح مقدمہ۔ شقائق الحقائق وحدائق الدقائق نکات وتحقیقات در بارۂ احادیث مشکلہ۔ تقریب شرح تہذیب (النحو) تالیف ۱۲۸۰ھ

❁❁❁

قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب نقوی مجتہد طاب ثراہ

حجۃ الاسلام مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

قدوۃ العلماء مولانا آقا حسن صاحب بن مولانا سید کلب عابد صاحب کے جد بزرگوار مولوی سید محمد یوسف صاحب محمد بہادر شاہ، سلطان دہلی کے استاد تھے۔ بادشاہ نے ضلع رائے بریلی میں کچھ گاؤں نذر کیے تھے۔ ان محمد یوسف صاحب کے اخلاف میں ولی محمد حسین صاحب جائسی مجتہد مانے جاتے تھے۔ ولی محمد حسین کے فرزند مولانا سید کلب حسین کے فرزند مولانا سید کلب عابد کے بیٹے سید آقا حسن ۲۶ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی کتب صرف ونحو منطق وفقہ وادب مولوی سبط محمد ابن خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ سے اور کتب معقول ومنقول وفقہ واصول کی تکمیل جناب میر آغا صاحب اور جناب علن صاحب سے کی۔ عراق میں جناب شیخ محمد حسین مازندرانی (۱۳۰۷ھ) وجناب شیخ زین العابدین حائری وجناب شیخ محمد حسین مامغانی جناب مرزا محمد حسین شہرستانی کربلائی (۱۳۱۱ھ) سے استفادہ واجازات لے کر درجۂ فقاہت حاصل کیا۔

۱۳۱۳ھ میں جناب عماد العلماء میر آغا صاحب نے اجازہ مرحمت فرمایا۔ مولانا آقا حسن صاحب فقیر منش، سادہ مزاج، جفاکش، پرہیزگار اور بے تکلف عالم تھے۔ طلباء سے محبت فرماتے تھے۔ ہیئت میں مدرسِ کامل سمجھے جاتے تھے۔

قومی فلاح وبہبود: مولانا بڑے فعال، بیدار مغز اور اصلاح پسند تھے۔ وہ بے حد مصروف تھے مثلاً: مسجد آصف الدولہ میں نمازِ جمعہ وعیدین۔ نواب میر اصغر حسین صاحب (نزھئی) کے منیجر تھے۔ ۱۹۰۹ء وقف فخر الدین حسین صاحب کے مختار تھے۔ پورے ملک سے مسائل کی دریافت وسوال وجواب۔ اسکے باوجود انہوں نے ملک گیر قومی ترقی کیلئے، قومی حقوق وفرائض کا جائزہ لینے اور جدید رجحانات سے ہم آہنگ ہونے کی خاطر۔

(۱) ۱۳۱۹ھ میں انجمن صدر الصدور قائم کی جو ۱۳۲۳ھ میں ''آل انڈیا شیعہ کانفرنس'' کے نام سے موسوم ہوئی۔

(۲) شیعہ کالج کی تجویز وتحریک۔

(۳) مدرسۂ جعفریہ دینی ودنیاوی تعلیم کا انتظام تھا۔ عربی، دینیات، انگریزی وصنعت وحرفت ساتھ ساتھ سکھائی جاتی تھی۔

(۴) ۲۷ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ انجمن یادگار علماء قائم کی جس نے منجملہ متعدد خدمات کے مذہبی نادر کتابیں بھی شائع کیں۔

(۵) ۱۳۲۶ھ میں شیعہ سنی فسادات کے موقع

پر آپ نے اپنے وقار و تدبّر سے معاملات سنبھالے۔

(۶) ۱۳۳۷ھ شیعہ بیت المال قائم کیا۔ اس ادارے میں علم کے ساتھ ہنر کی تعلیم دی جاتی تھی۔

حج: مولانا سید آقا حسن صاحب نے عراق کے دو سفر طلبِ علم و زیارت کے لئے پہلے کئے تھے۔ ۱۳۴۴ھ میں خشکی کے راستے مشہد مقدس و کربلا و نجف و کاظمین ہوتے ہوئے حج و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوکر ۱۳۴۶ھ میں وطن واپس آئے۔

وفات: جناب قدوۃ العلماء نے پنجشنبہ ۱۲/ستمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۷/ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ کو رحلت فرمائی اور حسینیہ غفرانمآب میں دفن ہوئے۔

تصانیف: (۱) رِسَالَةُ حِرْمَانِ الزَّوْجَةِ عَنِ الْعِقَارِ (فقہ استدلالی عربی) (۲) رسالہ غسل واجب لنفسہ یا واجب لغیرہ (۳) ترجمہ عماد السلام نامکمل (۴) فتاویٰ (۵) حواشی و اضافہ بر تحفۃ العوام (۶) تفسیر قرآن مجید نامکمل (۷) معالم اور اخبار الناطق میں مضامین

اولاد - خداوند عالم نے بائیس اولادیں عطا کیں جن میں مولانا کلب حسین (متوفی ۶/اکتوبر ۱۹۶۳ء) نے عظمت و شہرت کا کمال پایا۔

ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء

مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد طاب ثراہ

حجۃ الاسلام مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل

جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قصبہ جائس کے معزز خاندان کے تھے۔ ان کے والد علام قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ لکھنؤ کے اساطین علماء اعلام میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ آپکے نانا جناب میر آغا صاحب (متوفی ۱۳۲۳ھ) فقہاء لکھنؤ میں بڑے فقیہ تھے۔ مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نے ۶ رشعبان ۱۳۱۱ھ بمقام لکھنؤ ولادت پائی اور ''علی اختر'' تاریخی نام ہوا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ سلطان المدارس میں داخل ہو گئے جو آپ کے گھر سے قریب تھا۔ مدرسے کے اساتذہ میں جناب محمد رضا صاحب جناب سید محمد ہادی صاحب قبلہ، جناب سید باقر صاحب قبلہ اور گھر پر اپنے والد بزرگوار سے پڑھکر صدر الافاضل کی سند لی۔

گھر کی روایت اور والد بزرگوار کی مرجعیت کے شباب میں مولانا کلب حسین صاحب ناز و نعم اور علم و عمل کے ملے جلے ماحول میں پلے بڑھے۔ وہ شگفتہ مزاج، شاعر اور ذہین طالب علم تھے۔ مدرسہ کے ساتھیوں میں مولانا عبدالحسین، مولانا میرن صاحب، مولانا زین العابدین صاحب اور دوسرے بلند مرتبہ حضرات کی معیت نے جوہر چمکائے۔ مولانا آقا حسن صاحب نے صدر الافاضل کے بعد فرزند کو نجفِ اشرف بھیج دیا۔

تین سال تک نجف اشرف و کربلاء معلیٰ کے اکابر علماء سے استفادہ کے بعد لکھنؤ آئے اور والد علام کے معاملات میں ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ خدا نے قوت بیان اور ملکۂ خطابت مرحمت فرمایا تھا۔ اس لیے منبر کو زینت بخشی اور دن بدن ترقی کرتے گئے، اس وقت شیعہ خطابت کے افق پر شمس العلماء خطیب اعظم مولانا سبطِ حسن، مولانا محمد رضا صاحب فلسفی، مولانا محمد حسین صاحب محققِ ہندی جیسے اکابر ضوفشاں تھے۔ جناب مولانا کلب حسین صاحب نے مطالعہ اور محنت سے ان بزرگوں کے سامنے شہرت و ناموری کے مدارجِ عالیہ طے کیے۔

۱۳۴۸ھ میں جناب قدوۃ العلماء مولانا آقا حسن صاحب کی رحلت کے بعد مولانا کلب حسین عرف کبّن صاحب پر بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا، مسجد آصف الدولہ کی امامت جمعہ و جماعت، اوقاف کے انتظامات، جناب مرحوم کے مقلدین کا رجوع قومی معاملات کی دیکھ بھال، والد کے ساتھ علومِ اسلامی کی کتابوں کا سلسلۂ اشاعت شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کا انصرام امراء و غربا

ء سے ملاقات، سینکڑوں کے خطوں کے جواب اس پر ذاکری مستزاد، مولانا کبّن صاحب قبلہ نے تمام امور یوں سنبھالے کہ لوگوں کو جناب مرحوم کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ شدید سے شدید مشکلات میں خندہ پیشانی سے ملنا، بڑے سے بڑے دشمن کو گلے لگانا، غریبوں کی خدمت اور خدمت میں جفاکشی، قوم کی اصلاح وفلاح میں شب وروز محنت، ہر اچھے کام میں تعاون، ہر انجمن سے محبت مخالفت کی پرواہ کیے بغیر ممکن حد تک شرکت، متحارب اور مخالف گروہوں سے رابطہ ان کے کمالات پر دلیل تھا۔

ہر انجمن انھیں اپنا سرپرست جانتی تھی، برّصغیر کے ہر گوشے تک ان کی آواز پہونچتی تھی، شیعہ ایجی ٹیشن میں ان کی قید اور سنی شیعہ اسٹیج پر ان کی تقریر، شیعوں کی زعامت اور سنیوں سے اتحاد ان کی شخصیت کا روشن پہلو ہے۔ ان صفات نے انھیں حیرت انگیز محبوبیت بخشی تھی۔ جناب نجم الملت اور ناصر الملت کے بعد مرجعیت میں ان کی ذات منفرد ہوگئی تھی۔ ان کی سب سے بڑی مصروفیت مجالس تھیں۔ وہ برّصغیر کے گوشے گوشے میں پہونچے مگر جمعہ کے دن آصف الدولہ کی مسجد میں نماز بہر حال ادا کی۔ محرم میں عشرۂ مجالس کی گنتی دشوار ہے لیکن غفرانمآبؒ کے امامباڑے اور چھوٹی رانی کے عزاخانہ اقبال منزل کی مجلسیں یادگار تھیں، خطابت میں ان کا اسلوب بہت دلکش تھا۔ ان کا لہجہ نرم، انداز بیاں سادہ، زبان شیریں وفصیح، مطالب لطیف وعام فہم وعالمانہ، کوثر کی روانی، سلسبیل کا بہاؤ، منبر کا وقار اور آواز کا دھیما پن، نہ چیخ پکار نہ دبی ہوئی صدا، ہزاروں کا مجمع مگر دور دور تک آواز پہنچ رہی ہے۔ آواز کے ساتھ سامعین کا حضور ذہن، درود وداد، گریہ وفریاد ساتھ ساتھ جب چاہا مجمع درود پڑھنے لگا۔ جب چاہا رلا دیا۔ پھر مصائب میں تصنع نہ فضائل میں شور یہ معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر کی سطح پر ہوا کے جھونکے ہلکا ہلکا تموج پیدا کر رہے ہیں۔ برصغیر کے راجہ مہاراجہ، امیر غریب ہر ایک بلاتا، ہر ایک قربان ہوتا اور ہر ایک غیر معمولی حد تک پسند کرتا تھا۔

افریقہ، عراق، ایران، ہر جگہ انکی عزّت تھی اور تمام شیعہ انکو اپنا مرکز عقیدت مانتے تھے۔ علم ذہانت، عمل، تقدس بے جگری، بے غرضی، خلوص، ایثار غرض حسنِ اخلاق وحسنِ کردار کی حسین ترین مثال تھے۔ انھیں تمام سپاہیانہ فن آتے مگر دیکھیے تو سادگی کی انتہا تھی۔ بیٹھے تو محبت وشفقت کا مجسمہ، کسی کا دل دکھانا ممکن ہی نہ تھا۔ ہر شخص سمجھتا تھا جناب کو جتنی محبت اس سے ہے کسی سے نہیں۔ لوگوں کے گھروں پر بے تکلف جانا۔ چھوٹے بڑوں سے بے تکلف ملنا جب یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

قوم کے فکری، اخلاقی، علمی اور اقتصادی معیار بلند کرنے کے لیے رسالے نکالے۔ الناطق، ابلاغ، سحاب، ادارے قائم کیے۔ بیت المال، ادارۂ اقتصادیات جماعتوں اور اداروں کے لیے بنیادی کام کیے۔ مدرسۂ ناظمیہ، یتیم خانہ، شیعہ کانفرنس، سرفراز اخبار اور آخر میں سلطان المدارس کی عمارت کا حکومت سے بچاؤ۔

ان کی عظمت اور کارکردگی سے حکومت جھکتی تھی، مسلمان بھروسہ کرتے تھے اور شیعہ ان کا حکم مانتے تھے۔

آخری دور میں ان جیسی باعمل شخصیت کا جواب نہ تھا۔وہ عراق وایران گئے۔وہ پاکستان آئے۔سب نے یہ جانا کہ انکا سردار آیا ہے اور ایسی محبت وعقیدت کا مظاہرے کیے جسکا جواب نہیں۔جناب مرحوم مولانا کلب عابد صاحب کی واپسی عراق ۱۹۴۸ء کے بعد آہستہ آہستہ انھیں اپنا معاون بناتے گئے۔ خدا نے فرزند بھی ایسا سعید و باصلاحیت باوقار عطا کیا جس کی مثال میں نے نہیں دیکھی۔مگر وہ اپنے معاملات اور ذمہ داریوں سے فرار نہیں چاہتے تھے۔اور فرزند کو آگے لاکر آرام مطلوب نہ تھا۔وہ جب تک چل پھر سکے۔کام کرتے رہے صاحب فراش ہوئے جب بھی کچھ نہیں تو خطوں کے جواب ہی لکھا کیے۔ایک وقت مدت سے چلا آرہا تھا اب وہ بھی بند ہو گیا تو مجبور ہو گئے تھے۔پھر بھی فینس میں بیٹھ کر کلب صادق صاحب کی مجلس سننے گئے اور کہا خدا کا شکر ہے کہ منبر پر میری آواز اور محراب میں میری تصویر آگئی۔بہتر تہتر برس کی عمر ساری زندگی کی محنت نے کمزور سے کمزور تر کر دیا۔خطرناک بیماری میں ہر ممکن علاج کیا گیا قیمتی اور نادر دوائیں دی گئیں مگر وقت آخر آیا اور عمدۃ العلماء ۶/اکتوبر ۱۹۶۳ء جمادی الاولیٰ ۸۳ ۱۳ھ کو دنیا سے رخصت ہو گئے سینکڑوں بیوہ اور یتیم لاوارث ہو گئے اور قوم کا مرکزی قومی ختم ہو گیا شام غریباں کا پہلا ذاکر اور گذشتہ روایت کا عظیم سرچشمہ رک گیا تمام عالم تشیع میں کہرام مچ گیا اور محرم کے بعد دوبارہ محرم آگیا۔لکھنؤ میں قافلے پہنچنے لگے جنازہ دریا پر گیا ،ہندو مسلمان سنی شیعہ ہزاروں کا مجمع اور لاکھوں تعزیت اور پرسہ دینے والوں کا اجتماع تھا۔جنازے کے ساتھ بے شمار ماتمی دستے تھے امام باڑہ غفرانمآب میں زیر منبر دفن کئے گئے تو بے شمار لوگوں نے قبر کی مٹی تبرک کے طور پر اٹھائی مولانا کلب عابد صاحب قبلہ نے مجھے لکھا کہ جناب کا سوگ یوں منایا گیا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ فقط میرے گھر کا سانحہ ہے۔مجھ سے بے حد محبت فرماتے تھے بدنصیبی کہ میں لکھنؤ نہ جاسکا جناب مرحوم کا عطا کردہ اجازۂ روایت میرے پاس ہے جس پر مجھے ناز ہے۔

تالیفات و خدمات : مولانا کلب حسین صاحب بڑے فعال اور محنتی تھے اس کے باوجود وہ سیکڑوں کے جواب مسئلوں پر فتوے اور مضامین و مقالات لکھتے تھے ۔ان کے مستقل تالیفات میں ایک کتاب مجالس الشیعہ ہے جو پاکستان میں چھپ چکی ہے۔

اولاد : مولانا کلب عابد صاحب قبلہ فرزند اکبر اور جانشین جدو پدر ہیں مولانا اپنے کردار اور مزاج میں میرے ساتھیوں اور معاصرین میں سب سے بلند اور سب کے لئے قابل فخر ہیں۔

سید کلب ہادی صاحب پاکستان میں ہیں کلب صادق صاحب صدر الافاضل پی۔ایچ۔ڈی جناب کلب باقر صاحب، جناب کلب محسن صاحب۔

سید العلماء علامہ مولانا سید علی نقی نقوی مجتہد

حجۃ الاسلام علامہ سید سعید اختر رضوی گوپالپوری طاب ثراہ

سید العلماء سید علی نقی جناب ممتاز العلماء ابوالحسن (منن صاحب) کے فرزند تھے۔ جو شمس العلماء سید ابراہیم بن جنت مآب سید تقی بن سید العلماء سید حسین علیین مکان ابن غفرانمآب سید دلدار علی کے فرزند تھے۔ مولانا سید علی نقی ۲۶/ رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کو لکھنؤ میں متولد ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر ۴-۳ سال کے درمیان تھی کہ آپ کے والد ماجد ۱۳۲۷ھ میں مع متعلقین تکمیل علوم کے لئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ آپ کی عمر ۹ برس کی تھی جب ۱۳۳۲ھ میں آپ کے والد گرامی ہندوستان واپس آئے اس وقت تک آپ کی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں ختم ہو چکی تھیں۔ لکھنؤ واپس آکر آپ کے والد صاحب طاب ثراہ نے آپ کی تعلیم اپنے ذمہ رکھی والد کی علالت کے زمانے میں آپ کے برادر معظم مولانا سید محمد عرف میرن صاحب آپ کو پڑھاتے تھے۔ سرکار سید العلماء نے مدرسۂ ناظمیہ اور سلطان المدارس دونوں جگہ داخلہ لیا۔ مدرسۂ ناظمیہ کے فاضل اور سلطان المدارس کے سند الافاضل کا ایک ہی ساتھ امتحان دیا۔ پھر دوسرے سال دونوں درجوں کے ضمیموں کا اور تیسرے سال ممتاز الافاضل اور صدر الافاضل کا ایک ہی ساتھ امتحان دیا اور اس ذیل میں نجم الملۃ اور جناب باقر العلوم دونوں سے تلمذ حاصل ہوا۔ عربی ادب میں آپ کی مہارت اور فی البدیہہ قصائد و مراثی لکھنے کے اسی دور میں بہت سے مظاہرے ہوئے اور عربی شعر و ادب میں آپ کے اقتدار کو شام و مصر و عراق کے علماء نے قبول کیا۔ علامہ امینی ''صاحب الغدیر'' نے آپ کا ایک قصیدہ ''الغدیر'' میں شامل کیا ہے۔ اور آغائے بزرگ تہرانی طاب ثراہ نے شیخ طوسیؒ کے حالات کو آپ کے لکھے ہوئے مرثیہ پر ختم کیا ہے طالب علمی میں ہی سرفراز لکھنؤ الواعظ لکھنؤ اور شیعہ لاہور میں آپ کے علمی مضامین شائع ہونے لگے تھے۔ اور ۴-۳ کتابیں بھی عربی اور اردو میں اسی زمانے میں شائع ہوئیں۔ تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا کچھ عرصے تک بحیثیت مدرس ناظمیہ میں بھی معقولات کی تدریس کی اس دور کے شاگردوں میں مولانا محمد بشیر صاحب فاتح ٹکسلا، علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری اور جناب حیات اللہ انصاری شامل تھے

سفر عراق

سید العلماء ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں تکمیل علم کے لئے عراق تشریف لے گئے۔ قیام عراق کا پانچ سالہ دور مرحوم کی زندگی کا ایک زریں باب ہے۔ ان پانچ برسوں میں آپ نے فقہ و اصول میں وہ ملکہ پیدا کیا کہ اس دور کے تین مجتہدین یعنی آیۃ اللہ اصفہانی، آیۃ اللہ نائینی اور آیۃ اللہ

سید ضیاء الدین عراقی نے آپ کو واضح الفاظ میں اجتہاد کے اجازے دئے۔علم کلام اور دفاع مذہب میں آپ کی مہارت کا لوہا سید محسن امین عاملی شیخ جواد بلاغی، شیخ محمد حسین کاشف الغطاء اور سید عبد الحسین شرف الدین موسوی نے مان لیا۔

نجف میں عربی تصانیف

نجف پہنچ کر سب سے پہلے جو کتاب آپ نے تصنیف کی وہ وہابیت کے خلاف تھی جو بعد میں کشف النقاب عن عقائد عبد الوہاب کے نام سے شائع ہوئی عراق و ایران کے مشہور اہل علم نے اس کتاب کو ایک شاہکار قرار دیا۔ دوسری کتاب "اقالة العاشر فی اقامة لشعائر" ماتم وغیرہ کے جواز میں تیسری کتاب السیف الماضی علی عقائد الاباضی، خوارج کی رد میں چار سو صفحہ کی کتاب ہے۔اس کے علاوہ بھی دو تین عربی تصانیف فقہ استدلالی میں ہیں۔

پانچ سال بعد رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ میں جب سید العلماء ہندوستان واپس آئے تو مندرجہ بالا تین مراجع تقلید کے علاوہ دوسرے مجتہدین کبار نے بھی آپ کو اجازہ ہائے اجتہاد دئے تھے۔مثلا آیۃ اللہ شیخ عبد الکریم یزدی حائری (موسس حوزہ علمیہ قم) آیۃ اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی ،آیۃ اللہ سید ابراہیم معروف بہ میرزا آقائے شیرازی، آیۃ اللہ شیخ ہادی آل کاشف الغطاء، آیۃ اللہ مرزا علی یزدانی، آیۃ اللہ شیخ محمد حسین طہرانی ،آیۃ اللہ شیخ محمد کاظم شیرازی، آیۃ اللہ میرزا ابوالحسن مشکینی اور آیۃ اللہ سید سبط حسین مجتہد۔

سید العلماء نے علم تفسیر اور علوم قرآن نیز عقائد اور علم کلام سے متعلق جو تحقیقی تصانیف اردو میں لکھے ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے۔

وہابیت کے خلاف تحریک

جب وہابیوں نے حجاز پر اپنا تسلط قائم کیا اور ۱۹۲۵ء میں اہل بیت اطہارؑ، ازواج نبیؐ، اور صحابۂ کبار کے مزارات کو منہدم کر دیا۔اس وقت ہندوستان کے تمام مسلمانوں خصوصاً شیعوں میں تلاطم برپا ہوگیا۔فرنگی محل میں انجمن خدام الحرمین قائم ہوئی۔شیعوں کی طرف سے سرکار نجم الملۃ کی سرپرستی میں وہابیت کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی اس میں سید العلماء اپنے استاد کے قوت بازو تھے۔اس سلسلے میں جو کتابیں اپیلیں اور مضامین لکھے گئے۔ان کا ذکر اس مضمون کو بہت طویل کردیگا۔

امامیہ مشن

۱۳۵۰ھ میں آپ کی تشریف آوری کے بعد سید ابن حسین صاحب نقوی مرحوم نے امامیہ مشن کی بنیاد رکھی۔ جس کا خاص مقصد تھا سید العلماء کی اردو کتابوں اور تحریروں کی نشر و اشاعت ابتدائی دور میں اس میں بہت ہی وقیع اور موقر کتابیں شائع ہوئیں۔اگرچہ آخری دور میں یہ ۸-۸ اور ۱۶-۱۶ صفحات کے مختلف پمفلٹوں کی اشاعت تک محدود ہوگیا۔

یادگار حسینی

۱۳۶۱ھ میں امام حسینؑ کی شہادت کو ۱۳۰۰ سال پورے ہو رہے تھے اس مناسبت سے دو تین سال قبل سے

آپ نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں یہ تحریک پھیلائی کہ ۱۳۶۱ھ میں یادگار حسینی اس طرح منائی جائے کہ جس میں ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں کو شریک کیا جائے اور وہ لوگ امام حسینؑ سے اپنی عقیدت کا اظہار کریں۔ یادگار حسینی کا ایک سب سے بڑا منصوبہ واقعہ کربلا پر ایک مبسوط کتاب شائع کرنا تھا۔ اس کتاب کی تدوین کے لئے ایک ایڈیٹوریل بورڈ کی تشکیل کی گئی۔ لیکن غیر منقسم ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ممبران بورڈ کا اجتماع عملاً غیر ممکن ثابت ہوا۔ آخر میں سید العلماء نے ایک میٹنگ میں جس میں صرف چند حضرات شریک تھے یہ صورت تجویز کی کہ وہ خود کتاب لکھ کر بورڈ کی میٹنگ میں استصواب رائے کے لئے پیش کر دیں ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق فروری مارچ ۱۹۴۵ء میں اس کتاب کا مسودہ طبع کرا کے بورڈ کے ممبران کے پاس بغرض استصواب بھیجا گیا۔ ادارۂ یادگار حسینی لکھنؤ نے اس ضمن میں ایک فیصلہ یہ کیا کہ اس مسودہ شہید انسانیت کے بچے ہوئے نسخوں کو قیمتاً عام پبلک کو فروخت کیا جائے۔ مقصد چاہے نیک رہا ہو لیکن اس اقدام نے قوم میں انتشار اور افتراق پیدا کر دیا۔ مسودہ شہید انسانیت کی مخالفت ہوئی اور کھل کر ہوئی۔ قضیہ اس حد تک بڑھا کہ چالیس چالیس برس کے نکاح طلاق کا شکار ہو گئے بیٹا باپ کا اور بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز دور تھا جب ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اور آخر کار ۱۵ر اگست کو ہندوستان اور پاکستان تقسیم ہو گئے۔ لیکن قوم کی تمام تر توجہ شہید انسانیت کے حق یا باطل ہونے پر مرتکز رہی۔ علمی مسائل میں اختلافات خود شہر لکھنؤ میں پہلے بھی اٹھتے رہے تھے۔ لیکن وہ مناظرہ یا ردوقدح تحریراً ہوتی تھی اور وہ بھی اکثر فارسی زبان میں اس لئے عوام الناس تک اس کا اثر بہت زیادہ نہیں پہنچتا تھا شہید انسانت کے سلسلہ میں ایک قیامت یہ ہوئی کہ منبر کو میدان مناظرہ اور عوام الناس کو علمی مسائل کا قاضی بنا دیا گیا اور اس طرح یہ آگ بیسوں برس تک بھڑکتی رہی۔ میرا مقصد اس تحریر سے شہید انسانیت کی تائید یا تردید نہیں میں صرف اس تکلیف دہ صورت حال کا تذکرہ کر رہا ہوں جو اس قضیہ سے پیدا ہو گئی تھی۔

خطابت

سید العلماء کی خطابت کا ایک خاص رنگ تھا جو عبارت آرائی اور سستی نکتہ آفرینی کے بجائے علم اور تحقیق پر مبنی تھا اور ایک گھنٹہ کی مجلس میں حقائق و معارف کے کتنے دروازے وا ہو جاتے تھے ان کی تقریر اور تحریر میں بہت کم فرق ہوتا تھا دوسری خاص بات ان کی تقریروں میں یہ تھی کہ ہر مذہب و ملت کا ماننے والا اسے اطمینان قلب کے ساتھ سن سکتا تھا اور فیض یاب ہو سکتا تھا کسی جملہ سے کسی کی دل آزادی کا خطرہ نہیں تھا۔

لکھنؤ یونیورسٹی

عراق سے واپسی کے کچھ عرصے بعد ۱۹۳۲ء میں آپ لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے وابستہ ہو گئے اور ستائیس برس تک طلباء کو فیض پہنچاتے رہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی

۱۹۵۹ء میں علی گڈھ یونیورسٹی نے آپ کو شیعہ

دینیات کے شعبہ میں بحیثیت ریڈر مدعو کیا اور آپ علی گڈھ منتقل ہو گئے۔ پھر آپ شیعہ دینیات کے پروفیسر بنائے گئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے علی گڑھ ہی میں سکونت اختیار کر لی ۱۹۷۷ء میں لکھنؤ کے کچھ شرپسندوں نے آپ کے لکھنؤ کے مکان میں آگ لگا دی جس میں ہزاروں قیمتی کتابیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ اس میں آپ کے عربی تصانیف کے غیر مطبوعہ مسودات بھی تلف ہو گئے جن کا ان کو آخر عمر تک صدمہ رہا۔

وفات

آپ نے یکم شوال روز عید الفطر ۱۴۰۸ھ ۱۸/ مئی ۱۹۸۸ء کو لکھنؤ میں رحلت فرمائی اور امامیہ مشن کے دفتر (حسینیہ جنت مآبؒ) میں وہیں سپرد خاک کئے گئے۔

تصانیف

آپ کے تصانیف کی جو فہرست کتابچہ سید العلماء میں چھپی ہے وہ ایک سو اکتالیس کتابوں اور کتابچوں پر مشتمل ہے۔ بخوف طول اسے نقل کرنے سے اجتناب کرنا پڑا۔

❋❋❋

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ رحمت مآب

علامہ سید سعید اختر رضوی گوپالپوری

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کے بڑے صاحبزادے اور دور حاضر میں خاندان اجتہاد کے رکن رکین تھے۔آپ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ ۱۹ر جنوری ۱۹۲۳ء کولکھنؤ میں پیدا ہوئے۔سلطان المدارس میں ۱۹۳۰ء میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۵ء میں فرسٹ ڈویژن سے صدر الافاضل کی سند حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا الطاف حیدر صاحب، مولانا عبدالحسین صاحب، مولانا ابن حسن صاحب، مولانا سید محمد صاحب اور مولانا سید حسین صاحب کے نام نمایاں ہیں ۱۹۴۶ء میں عراق تشریف لے گئے جہاں آیۃ اللہ سید مہدی شیرازی، آیۃ اللہ سید محسن الحکیم، آیۃ اللہ سید محمود شاہرودی اور دوسرے اساتذہ سے فیض حاصل کیا ۱۹۴۹ء میں عراق سے لکھنؤ واپس آئے۔

تدریسی مشاغل

دسمبر ۱۹۵۰ء سے جون ۱۹۷۲ء تک مدرسہ سلطان المدارس میں نائب مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے تدریسی اور انتظامی فرائض انجام دئے۔کچھ عرصہ بعد آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شیعہ تھیولوجی کے ڈین کی حیثیت سے بلائے گئے جہاں نومبر ۱۹۷۴ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

تلامذہ

تدریس کے اس طویل دور میں سیکڑوں افراد آپ کے چشمہ علم سے فیض یاب ہوئے ان میں سے چند نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا آغا جعفر (پاکستان) مولانا رضی جعفر (پاکستان) مولانا مرزا محمد عالم، مولانا مرزا محمد اطہر، مولانا سید حسن نقوی، مولانا افتخار حسین کشمیری، مولانا منظور محسن وغیرہم۔

شادی اور اولاد

۱۹۴۳ء میں حضرت باقر العلوم طاب ثراہ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا جن سے دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔مولانا سید کلب جواد اب آپ کے جانشین ہیں۔

سماجی اور قومی اداروں سے وابستگی

عراق سے واپسی کے بعد ۱۹۶۳ء تک وقتاً فوقتاً مسجد آصفی میں اپنے والد ماجد عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب کی عدم موجودگی میں نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔عمدۃ العلماء کی وفات کے بعد آپ نے یہ منصب مستقل طور سے سنبھال لیا اور آخر عمر تک یہ فریضہ انجام دیتے

رہے۔

آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے۔جس کی صدارت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ہاتھوں میں تھی۔سنٹرل حج کمیٹی اور اردو اکیڈمی کے ممبر رہے۔نیز ایک بار آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر تھے۔یہ مختلف النوع مناصب آپ کی ہمہ گیر شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں اور اس سے انکی مستحکم علمی بنیاد کی نشان دہی ہوتی ہے۔جو اس زمانے میں کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے

بقول پروفیسر مولانا شبیہ الحسن نونہروی ان میں سنجیدگی اور متانت کے آثار بچپن ہی سے موجود تھے مگر کبھی وہ عبوس وقمطریر نہ تھے۔متانت اور حفظ مراتب کے ساتھ ان کی شگفتگی اور کشادہ دستی ان کے اوصاف میں چار چاند لگا دیتی تھی۔ان میں حقیقتاً ایک طرح کی مقناطیسیت تھی ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں طرح طرح کے لوگ شامل تھے اور سب ہی ان کی نیک نفسی خیر خواہی اور ایثار کے معترف تھے ان کے ایسا احباب پرور شخص میں نے کمتر ہی دیکھا ہے۔سادگی اور اخلاص کے ساتھ وہ اپنے احباب اور بزرگوں کی اتنی مدارات کرتے تھے کہ ان کے یہاں جانے والا مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا۔ان تمام اوصاف کے ساتھ واقعات کا ایسا سلسلہ وابستہ ہے کہ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو ایک تاریخ بن جائے۔جس کا یہاں موقع نہیں ہے احباب پروری اور سادگی کے یہ اوصاف بھی ان کے ذاتی محاسن کے علاوہ ایسی وراثت تھے جو انہیں ان کے پدر عالی مقدار جناب عمدۃ العلماء مرحوم طاب ثراہ سے براہ راست پہنچے تھے۔

عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد قیادت وخطابت کے نہفتہ اوصاف بھی رفتہ رفتہ ان میں ظہور پذیر ہونے لگے اور پھر تو وہ اس قدر مصروف ہوئے کہ ان کی پوری زندگی معرکے سر کرنے میں گذر گئی۔ان کی عملی جد و جہد اور مجاہدانہ عزم وبصیرت کے جواہر اس وقت کھل کر سامنے آئے کہ جب مدرسۂ سلطان المدارس کے تحفظ کی تحریک نے بر صغیر اور بیرونی ممالک میں بھی ہل چل سی پیدا کر دی۔اس مدرسہ کا اپنی موجودہ عمارت میں رہنا جس مجموعی قیادت کا کارنامہ ہے اس میں آقائے شریعت طاب ثراہ کی کمک اور سرفروشانہ جدجہد نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

حادثہ وفات

آپ ۱۳؍دسمبر ۱۹۸۶ء بروز شنبہ ۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ کو نصیر آباد ضلع رائے بریلی مجلس پڑھنے گئے تھے۔ وہاں سے الہ آباد کے لئے واپسی ہو رہی تھی کہ تقریباً پندرہ کیلومیٹر پہلے پھاپھامئو ضلع الہ آباد کے قریب تقریباً ساڑھے آٹھ بجے رات کو ایک ٹرک نے اس کار کو پیچھے سے کچل دیا جس میں سرکار آقائے شریعت سفر کر رہے تھے۔لاش رات بھر عالم کس مپرسی میں پڑی رہی۔لیکن ۱۴؍دسمبر کی صبح ہوتے ہوتے جب ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ نے اس خبر کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا تو جیسے ایک عالم گیر زلزلہ آ گیا ہو۔راقم الحروف کے بھی آقائے شریعت کے ساتھ مخلصانہ تعلقات تھے اور میں نے یہ خبر تنزانیہ میں ایک تبلیغی سفر پر

جاتے ہوئے کار میں سنی تھی۔نواب گنج تھانہ سے ایمبولنس کے ذریعہ لاش میڈکل کالج الہ آباد لائی گئی۔سیکڑوں کا مجمع نعرہ لگا رہا تھا کہ مولانا کا پوسٹ مارٹم تبھی ہوسکتا ہے جب یہاں ہزاروں پوسٹ مارٹم ہوجائیں جناب سلیم شیروانی ممبر پارلیمنٹ نے اعلیٰ افسران سے مشورہ کے بعد اعلان کیا کہ اعلیٰ حضرت کی لاش کو کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔ڈاکٹری معائنہ کے بعد میڈیکل کالج کے کمپاؤنڈ میں میت زیارت کے لئے لائی گئی پھر دوبارہ ایمبولنس میں رکھی گئی۔تین بجے سہ پہر کے قریب ایمبولینس آہستہ آہستہ لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئی۔ہر قدم پر قافلہ بڑھتا جا رہا تھا ایک جیپ جس پر مسلم مجلس کا جھنڈا لگا تھا سورۂ رحمن کی تلاوت کرتی جا رہی تھی۔ لکھنؤ سے چالیس کلومیٹر پہلے ایک کثیر مجمع استقبال کے لئے کھڑا تھا۔وہیں آقائے شریعت کے جسد اطہر کو تابوت میں منتقل کر کے ایک کھلی گاڑی میں رکھا گیا۔نو بجے رات کے قریب اعلان کیا گیا کہ سرکار آقائے شریعت کی نماز جنازہ کل نو بجے صبح ادا کی جائے گی۔

پورے لکھنؤ میں کہرام مچا تھا۔مجمع رات ہی سے بڑے امامباڑہ کی طرف بڑھا جاتا تھا جہاں غسل وکفن کے بعد تابوت مسجد آصفی کے مرکزی در میں رکھا تھا۔نو بجے صبح جنازہ کی صفیں امامباڑے کے صحن سے سیڑھیوں تک اور وہاں سے لان تک پہونچیں پھر بھی سب لوگ شرف نماز جنازہ حاصل نہ کر سکے تاج العلماء مولانا سید محمد ذکی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی مگر آواز گلوگیر تھی آگے بڑھے تو ٹیلہ والی مسجد کے قریب برادران اہلسنت نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے تھے اجازت لیکے تابوت صحن مسجد کے اندر لے گئے۔مولانا فضل الرحمان صاحب قبلہ امام جمعہ و جماعت اہلسنت کی اقتدا میں نماز جنازہ شروع ہوئی ہزاروں شیعہ سوگوار جو شرکت سے محروم رہ گئے تھے جناب مولانا کی اقتدا میں نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے ؎

کشتیٔ صلح و محبت تا لب ساحل گئی
آصفی مسجد سے ٹیلہ والی مسجد مل گئی

یہاں روز نامہ عزائم لکھنؤ کا ایک اقتباس پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

''مولانا سید کلب عابد مجتہد کا ماتم جس ہمہ گیر پیمانے پر ہوا اور اب تک ہو رہا ہے وہ لکھنؤ کی روایت اور مزاج کے خلاف ہے اور مظاہرہ اتنا غیر متوقع ہے کہ شاید کسی اور کو تو کیا مولانا مرحوم کو بھی اپنی زندگی میں اسکا اندازہ نہ رہا ہوگا کہ انہوں نے اپنے قومی کردار اور شخصی عمل اور صلح کن ذہن کے اتنے گہرے اور پائیدار اثرات مسلمانوں کی اجتماعیت پر مرتب کر دئے ہیں کہ انکی وفات نہ صرف شیعہ فرقہ کے لئے ایک حادثۂ عظیم بلکہ سنیوں کے لئے بھی ایک ایسا ناقابل بیان صدمہ جانکاہ ثابت ہوگا کہ وہ صدق دلی اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ انکی ناوقت جدائی پر بے قرار ہو اٹھیں گے۔جس شہر میں شیعہ سنی منافرت کی وجہ سے شیعہ لیڈروں کے لئے سنی فرقہ کے اندر اور سنی لیڈروں کے لئے شیعہ فرقے کے اندر بیگانگی، بلکہ بے تعلقی اور بدگمانی کے ایسے جذبات ابھر چکے تھے کہ انہیں ایک دوسرے کا اس طرح دشمن اور بدخواہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ان سے کسی خیر اور

ہمدردی کی توقع ہی اٹھا کر ایک طرف رکھ دی گئی تھی ۔ اسی شہر میں سب سے بڑے شیعہ لیڈر اور مذہبی پیشوا مولانا کلب عابد مجتہد کی وفات نے بجلی کی طرح ایک ایسے تاسف اور صدمے کی فضا پیدا کر دی کہ سارا سنی فرقہ انکی طرف عقیدت اور جذباتی کیفیت سے مغلوب ہو کر دوڑ پڑا۔ وہ انکی میت کو خوشامد کر کے ٹیلہ شاہ پیر محمد کی اس مسجد میں انکی نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے لے گئے، جہاں اب تک شیعہ فرقہ کے مقابلہ میں لڑائی اور کشمکش کا محاذ اور میدان تیار کرنے کے لئے سنیوں کے اجتماعات ہوا کرتے تھے ۔ اور یہ کیا بات ہوئی کہ ان کی وفات پر سنیوں کے جذبہ عقیدت کی شدت اس نقطہ عروج پر جا پہنچی کہ انکی تعزیت اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے پوری لگن کے ساتھ شہری جلسۂ تعزیت کا اہتمام کرنے پر مجبور ہو گئے''۔

نماز جنازہ کے بعد تابوت چالیس، پچاس علموں کے سائے میں امامباڑہ غفرانمآب کے لئے روانہ ہوا۔ درمیان راہ میں جنازہ کو آخری دیدار کے لئے گھر کے اندر بھیجا گیا، تھوڑی دیر کے بعد میت اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئی ۔ آدھا گھنٹہ کا راستہ کئی گھنٹوں میں طے ہوا۔ عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین کے پہلو میں انکے فرزند اکبر کو سلا دیا گیا ۔ اردو ، ہندی، اور انگریزی کے اخبارات کئی دن تک آقائے شریعت کے تذکروں سے بھرے رہے ۔ مولانا مرحوم نہ حکومت کے کسی منصب پر فائز تھے نہ کبھی سیاست میں دخل دیا مگر الہ آباد سے لکھنؤ تک مولانا کی لاش گویا سرکاری اعزاز کے ساتھ آئی ۔ جابجا پولیس کی ڈیوٹی تھی اور جب بھی ایمبولنس پولیس کے سامنے سے گذرتی تھی رائے فل سرنگو کر کے سلامی پیش کی جاتی تھی ۔ لکھنؤ میں ضلع انتظامیہ اور سرکاری مشینری اس سے زائد سرگرم تھی جتنا سرکاری اعزاز کے ساتھ دفن ہونے والوں کے لئے ہوتا ہے، ماتمی جلوس کے آگے گھوڑے سوار پولیس اور انکے پیچھے اعلیٰ پولیس افسران پیدل چل رہے تھے ۔ جلوس کے پیچھے بھی پولیس کے جتھے تھے ۔ مسلمانوں کی دوکانیں دو روز بند رہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم افراد نے بھی دوکانیں بند رکھیں ۔ شہر کے اکثر و بیشتر مکانات پر سیاہ جھنڈے تھے ۔ پندرہ دسمبر کی دوپہر میں تدفین ہوئی اور اسی روز شام کو لکھنؤ کے شہریوں کی طرف سے (جس میں سنی حضرات پیش پیش تھے) امین الدولہ پارک میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور ہندو، مسلم، شیعہ، سنی، مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے مولانا مرحوم کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

لسان العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ طاب ثراہ

علامہ سید سعید اختر رضوی گوپالپوری

لسان العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب خاندان اجتہاد کے مایہ ناز رکن تھے۔ ۱۹ شوال ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۸۹۹ء کولکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کو باضابطہ قید تحریر میں لاکر آئندہ کے ریسرچ اسکالرز کے لئے ایک نادر ماخذ مہیا کردیا ہے جس سے ان کی تعلیم وتربیت، خاندانی حالات اور ذاتی سوانح کے علاوہ تبلیغی خدمات کا پورا نقشہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔

آپ نے سات سال کی عمر سے ذاکری شروع کی اور ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ تک ۷۸۱۹ مجلسیں پڑھیں۔ یہ تفصیلات دو جلدوں میں محفوظ ہیں۔ مضمون نگاری بھی اوائل عمر سے شروع کردی تھی۔ نامکمل فہرست مضامین میں ۱۱۶۲ مضامین کے نام درج ہیں۔ مجالس اور تبلیغ دین کے سلسلے میں شیعی دنیا کے ۱۶۶ شہروں اور بستیوں میں گئے۔ زیارات عتبات عالیات سے متعدد بار مشرف ہوئے۔

۲۲ سال تک لکھنؤ کی مسجد تحسین علی خاں میں فرائض امامت فی سبیل اللہ انجام دئے اور ہر اتوار کو موعظہ فرماتے تھے۔ شیعہ کالج لکھنؤ کے قیام کے بعد اسکے آرگن 'الصراط' کی مجلس ادارت میں شریک رہے۔ اودھ پنچ لکھنؤ میں بھی آپکے مقالے چھپتے رہے۔ رسالہ الواعظ لکھنؤ کے ۱۶ سال مدیر رہے۔ جب ۲۲ جولائی ۱۹۶۰ء کو آپ نے کراچی جانے کے لئے لکھنؤ چھوڑا تو یہ سلسلہ منقطع ہوا۔ جب موصوف الواعظ کے مدیر تھے اس وقت سے راقم الحروف کو آپ سے نیاز حاصل ہوا۔ ۱۹۴۹ء سے میرے مضامین الواعظ میں پابندی سے چھپنے لگے۔ اس کے دو ایک سال کے بعد میں لکھنؤ گیا تو اڈیٹر صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ موصوف مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور میں ان کے اخلاق وانکسار اور سادگی سے بہت متاثر تھا۔ موصوف نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی۔ عالم باعمل تھے۔ اپنا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا پسند کرتے تھے

آپ کے تصنیفات کی فہرست ۲۲۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ اس طرح مجموعی طور سے ۲۹۱ کتابیں ہوجاتی ہیں۔ ان میں سے تقریباً ۱۲۰ غیر مطبوعہ ہیں۔ باقی (بہ استثنائے چند) آپ کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

پاکستان میں آٹھ دس مسجدیں بنوائیں۔ آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ ۱۹۷۹ء میں آنکھوں کی بصارت نے ساتھ چھوڑ دیا۔ ۱۹۸۲ء میں دونوں آنکھوں کا ایک ساتھ آپریشن ہوا جو کامیاب رہا۔ لیکن چالیس دن بعد سجدہ کرنے کی وجہ سے ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ صرف ایک

آنکھ سے ۱۴ ۱۴- گھنٹے کام کر کے اپنے تصنیفات کو مکمل کرنے کی دھن رہی۔ تاریخ لکھنؤ کا تیسرا حصہ کتابت کے مراحل سے گذر رہا تھا کہ آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔

۱۲ جولائی ۱۹۸۶ء روز شنبہ ۹ بجے صبح ہارٹ اٹیک ہوا۔ ۱۳ جولائی کو شام کو ۵ بجکر ۲۰ منٹ پر اس دار فنا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

انیسویں، بیسویں صدی مسیحی میں اودھ کے شیعہ مراکز فتاویٰ

سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی موسسہ نور ہدایت لکھنؤ

تبصرہ: از قلم چودھری سبط محمد نقوی طاب ثراہ

پیش نظر گرانمایہ مضمون بندہ ناکارہ کی التماس پر محب عزیز مولانا سید مصطفی حسین اسیفؔ جائسی نے سپرد قلم فرمایا ہے جب سے اودھ میں شیعہ سماج کا استقلال ہوا اور حجاب تقیہ چاک ہوا اس وقت سے اب تک اودھ میں جتنے شیعی مراکز فتاویٰ ہوئے انکا تقریباً جامع و مانع جائزہ اس مطالعہ میں آگیا ہے معلوم ہے کہ مغلیہ دور کے بعض امراء و سلاطین کے تشدد خصوصاً شہید ثالث ہند میر نور اللہ شوستری کی شہادت کے بعد شیعہ سماج حجاب تقیہ میں مستور ہو کے نظروں سے دور گویا نابود ہو گیا تھا لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال اور دربار میں شیعہ عناصر کے رسوخ کی بدولت اس حجاب کی دبازت کم ہوتی گئی بارہویں صدی ہجری کے اخر اور تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں یہ کیفیت تھی کہ محدث معظم شاہ عبدالعزیز دہلوی نے بیان فرمایا ہے کہ اس وقت دہلی میں کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا کہ جسکی کوئی فرد اثنا عشری عقائد کی معتقد نہ ہوگئی ہو شاہ صاحب کی مایہ ناز کتاب تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف بھی اسی رجحان کے سد باب کے لئے تھی چنانچہ تحفۂ اثنا عشریہ کی تصنیف ۱۲۰۴ھ میں مکمل ہوئی اور لکھنؤ میں علٰحدہ نماز جماعت اور نماز جمعہ کی اقامت ۱۲۰۰ سنہ ھ کے ماہ رجب میں ہوئی لکھنؤ میں مولوی علامہ سید دلدار علی غفرانمآب نے شیعہ صف جماعت برپا کی ایسا تب ہوا کہ جب مشترک جماعت میں شیعوں کی شرکت میں اضمحلال و تساہلی کا مشاہدہ کیا تو ایک مشہور صوفی بزرگ خواجہ علی اکبر مودودی چشتی نے شیعوں سے کہا کہ اگر مشترک جماعت میں آپ لوگوں کو تردد ہو گیا ہے تو الگ جماعت قائم کیجئے اس طرح سے علٰحدہ نماز کے ساتھ علٰحدہ مراکز فتاویٰ بھی قائم ہوئے نواب آصف الدولہ کی فیاضی اور انکے نائب سرفراز الدولہ جناب نواب حسن رضا خان کی بدولت اس صورتحال کو تقویت ملتی گئی۔

حضرت غفرانمآب علیہ الرحمہ کے صاحبزادوں کے دور میں تو اودھ کے چوتھے بادشاہ امجد علی شاہ نے حکومت الٰہیہ قائم کردی اور تخت و تاج سلطان العلماء مولانا سید محمد رضوانمآب کی خدمت میں پیش کر دیا جناب نے اس پابندی کے ساتھ کہ نظام حکومت امامیہ تشریح کے مطابق آئین اسلامی پر قائم ہوگا تخت و تاج بادشاہ کے پاس ہی رہنے دیا یہی وہ دور ہے جس میں غیر مسلم و غیر شیعہ مفتیوں کے ساتھ شیعہ مفتیوں کا بھی تقرر ہوا اصولی طور پر تو انہیں فقہ کی ایک ابتدائی کتاب بدایۃ الہدایۃ کو ماخذ و مبنیٰ بنانے کی ہدایت کی گئی تھی مگر پیچیدہ مسائل میں سلطان العلماء رضوانمآب اور انکے سب سے چھوٹے بھائی سید العلما سید

حسین علیین مکان کے فتاویٰ جاری ونافذ ہوتے تھے۔

یہاں پہنچ کے یہ عرض کرنا صورتحال کے فہم کی خاطر ضروری ہے کہ تقیہ کی فضا نے اخباریت کو بہت پر وبال دے دئے تھے یعنی خود مکلف کا احکام شرع کا استخراج کر لینا اور احادیث اہلبیت پر اپنی تکلیف کا دارو مدار رکھنا غفرانمآب کو اخباریت کے خلاف بھی مورچہ لگانا پڑا اور اصولیت کو رواج دینے میں سعی بلیغ فرمانی پڑی آج اخباری نقطہ نظر کے عالم یا مکلف نایاب کی حد تک کمیاب ہیں اور تقلید کا رواج عام ہے مقلدین اپنے مقلد مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرتے ہیں جو شیعہ اصول سے مرتبۂ وجوب رکھتی ہے یہاں یہ امر پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ہر مفتی خود صاحب فتویٰ نہیں ہوتا جو حضرات دلائل شرعیہ سے احکام کا استنباط و استخراج نہیں کر سکتے وہ کسی مرجع شریعت کے فتاویٰ کی روایت کرتے ہیں اس لئے شیعہ مراکز فتاویٰ نے وہ لوگ بھی ہیں جو خود استنباط احکام کرتے ہیں انکے پاس اساتذہ اور مراجع وقت کا اجازۂ اجتہاد ہوتا ہے اسی کے ساتھ وہ حضرات بھی ہیں جنکے پاس اجازۂ روایت ہے اور وہ مراجع عظام کے فتاویٰ کی روایت فرمایا کرتے ہیں اس لئے مفتیوں کی صف میں غیر مجتہد افاضل بھی ملتے ہیں اور یہ مراکز فتاویٰ درحقیقت مراکز روایت ہوتے ہیں۔

سبط محمد نقوی
نگراں

۱- مجدد الشریعت محی الملت علامہ مولانا سید دلدار علی نقوی مجتہد غفرانمآب بن سید محمد معین نصیر آبادی اعلی اللہ مقامھما۔

ولادت - شب جمعہ ۱۷/ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء آپ ہندوستان کے پہلے شیعہ مجتہد اور امام جمعہ وجماعت ہیں۔

وفات : شب ۱۹/رجب المرجب ۱۲۳۵ھ مطابق ۳/مئی ۱۸۲۰ء (۶۹ سال عمر پاکر اپنے ہی حسینیہ میں مدفون ہوئے) آپ کے پانچ فرزند اور بہت سے نامور تلامذہ تھے آپ نے عربی اور فارسی میں اکتیس ضخیم کتابیں تصنیف فرمائیں۔آپ کا مدرسہ ہی دارالافتاء تھا آپ کے فتوؤں کا مجموعہ "جوابات مسائل فقہیہ" ہے اور بندہ نے خان بہادر میر منشی ریزیڈنٹ وسفیر سلطانی سید غلام حسین رضوی شائق جائسی استاد نصیر الدین حیدر کی مرتبہ "اعمال وادعیہ" نامی فارسی کتاب جائس کے ممتاز مرثیہ گو ضرغام الحید رنقوی ضرغام جائسی کے کتب خانہ میں دیکھی ہے جس کے آخر میں منشی صاحب نے غفرانمآب سے جو استفتاءات کئے ہیں وہ اور غفرانمآب کے فتوے منشی صاحب کے قلم سے ہیں۔اور مولانا سید اوصاف علی نقوی جائسی (شاگرد غفرانمآبؒ) کی ضخیم تالیف "فتاوائے غفرانمآبؒ" جو مخطوطہ کی صورت میں مہر جائسی کے کتبخانہ (جائس) میں محفوظ ہے۔

(۲) سلطان العلماء مولانا سید محمد مجتہد رضوانمآب (امام جمعہ لکھنؤ) بن حضرت غفرانمآبؒ

ولادت: ۱۷/صفر ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء

وفات: شب پنجشنبہ ۲۲/ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب لکھنؤ۔

-ا سند المجتہدین مولانا سید علی حسن نقوی جائسی کے والد علام مولانا سید غلام امام نے آپ کے اور آپ کے سب سے چھوٹے بھائی کے فتوؤں کا مجموعہ تیار کیا تھا جس کی جلد پر فتاوائے سلطان العلماءؒ وسید العلماء لکھا ہوا ہے اب یہ مجموعہ مولانا سید حری حسن مرحوم کے کتب خانہ میں ہے۔

-۲ فتاوائے سلطان العلماء بہ جوابات استفتاءات سادات جارچہ وچھولس (مطبوعہ) یہ کتاب کتب خانہ عمدۃ العلماء حسینیہ غفرانمآب لکھنؤ میں ہے جس کا نمبر ۵۶۶ ہے۔

-۳ کتاب المسائل (فتاوائے سلطان العلماء) مؤلفہ مولانا مشرف علی خاں لکھنوی۔

(۳) سید العلماء مولانا سید حسین مجتہد علیین مکانؒ بن حضرت غفرانمآب

ولادت: ۱۴/ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ مطابق اکتوبر ۱۷۹۶ء

وفات: شب شنبہ ۱۷/صفر ۱۲۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۸۵۶ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-ا رسالہ مسئلہ شک در رکعتین اولین

-۲ تحفۃ الصالحین مطبوعہ شوال ۱۲۶۷ھ موافق فتوائے سید العلماء مولفہ سید امداد حسن بن سید علی حسین

-۳ مجموعہ فتوائے سلطان العلماء وسید العلماء

-۴ فتاویٰ بہ جواب استفتاءات سادات جارچہ و چھولس (مطبوعہ)

-۵ کتاب المسائل (فتاوائے سید العلماء) مولفہ مولانا مشرف علی خان لکھنوی۔

(۴) علامہ مفتی سید محمد عباس موسوی شوستری ابن مولانا سید علی اکبر جزائری

ولادت: شب شنبہ ربیع الاول ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸/مارچ ۱۸۰۹ء

وفات: ۲۵/رجب المرجب ۱۳۰۶ھ مطابق مارچ ۱۸۸۹ء۔ مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-ا رسالہ عشرۂ کاملہ در عربی مع ترجمہ فارسی مطبوعہ حسینی اثنا عشری پریس لکھنؤ ۱۲۹۶ھ

اس رسالہ میں نماز جمعہ سے متعلق پٹیالہ سے سید محمد کاظم نے استفتاء کیا ساتھ ہی دیگر موضوعات پر استفتاءات ہیں جن کے سلسلہ میں مفتی صاحب اور دیگر مفتیان ہند وعتبات نے فتوے دئے جو اخیر کتاب میں موجود ہیں۔ مفتی صاحب نے عہد امجد علی شاہ میں مفتی عدالت بھی تھے اور اپنے فتاویٰ کے مطابق فیصلے کرتے تھے ۔

(۵) ملک العلماء مولانا سید بندہ حسین مجتہد مغفرت مآب ابن سلطان العلماء رضوان مآبؒ

ولادت: ۱۲۴۶ھ

وفات: ۲۹/جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-ا تحفۃ السائلین (فتاویٰ) مطبوعہ مطبع حسینی اثنا عشری لکھنؤ

-۲ فتاویٰ در بارہ خوردن طعام نصاریٰ و یہود مطبوعہ مطبع حسینی لکھنؤ۔

-۳ آپ سے سید عون حسین نقوی عرف میاں محمد جائسی نے

بہت سے سوالات کئے تھے جن کے جوابات آپ نے دئے یہ تمام فتوے مولوی سید فدا محمد نقوی کربلائی فصاحت جائسی کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

-۴ ''ظہیر المومنین'' فتاویٰ مولفہ مولانا سید آل احمد بلگرامی (مطبوعہ) راقم آثم کے ذخیرے میں ہے۔

-۵ فتاوائے ملک العلماء (ضخیم کتاب مسائل)

(۶) بحر العلوم تاج العلماء مولانا سید علی محمد مجتہد بن سلطان العلماء رضوانمآبؒ

ولادت: جمعہ شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۵ء

وفات: ۴/ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-۱ فتاویٰ دربارۂ خوردن غذائے اہل کتاب مطبوعہ مطبع حسینی لکھنؤ ۱۲۸۶ھ

-۲ رسالہ عدیمۃ المثال (جواز تصویر عکسی)

-۳ مسائل حیدرآبادیہ

-۴ ارشاد الصائمین

-۵ رسالۂ عشرۂ کاملہ کے آخر میں نماز جمعہ و دیگر مسائل سے متعلق آپ کے فتوے موجود ہیں۔

-۶ فتاوائے تاج العلماء (ضخیم کتاب مسائل)

(۷) ممتاز العلماء فخر المدرسین مولانا سید محمد تقی مجتہد جنت مآب (امام جمعہ لکھنؤ) ابن سید العلماء علیین مکان

ولادت: ۱۶/جمادی الاول ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۹ء

وفات: شب قدر ۲۳/رمضان ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء

مدفون بہ عزاخانہ خود (حسینیہ جنت مآبؒ) لکھنؤ

-۱ رسالہ حج مطابق فتوائے ممتاز العلماء

-۲ غنیۃ السائل فتاوائے ممتاز العلماء

-۳ فتاوائے ممتاز العلماء در بارۂ حلت طعام اہل کتاب مطبوعہ مطبع حسینی لکھنؤ

-۴ سید حسین نقوی رئیس جائس نے مولانا منشی سید کرم حسین نقوی مولاؔ جائسی کا فارسی کلام جمع کیا ہے اسی مجموعہ کے آخر میں ممتاز العلماء کے جوابات استفتاءات تحریر ہیں

-۵ علامہ کنتوری مولانا حکیم سید غلام حسین صاحب مرحوم کے اخبار الاخیار کا ایک حصہ جامع المسائل ہوتا تھا جس میں جنت مآب کے فتوے چھپا کرتے تھے

-۶ فتاویٰ بجواب استفتاءات سادات جارچہ چھولس (مطبوعہ)

(۸) عمدۃ العلماء صدر الشریعت مولانا سید محمد ہادی مجتہد بن آقا السید مہدی مجتہد

ولادت: ۷/رجب ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۳ء

وفات: ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-۱ آپ نے مولوی سید علی نقی نقوی جائسی کے استفتاءات پر جو فتوے دئے ہیں وہ ضرغام الحید رضرغاؔم جائسی کے کتبخانہ میں موجود ہیں۔

-۲ فتاوائے عمدۃ العلماء

(۹) سید العلماء الحاج مولانا سید محمد ابراہیم مجتہد فردوس مکانؒ (امام جمعہ لکھنؤ) ابن ممتاز العلماء جنت مآبؒ

ولادت: ۱۰/جمادی الثانیہ ۱۲۵۱ھ مطابق ۹/جولائی

۱۸۴۳ء

وفات:۔ ۲۰ ؍جمادی الاول ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۲؍جنوری ۱۸۹۰ء مدفون بہ حسینیہ جنت مآب لکھنؤ

۱۔کتاب المسائل (فتاویٰ)

۲۔عشرۂ کاملہ در مسائل نماز جمعہ کے آخر میں آپ کے فتوے درج ہیں

۳۔''ظہیر المومنین'' فتاویٰ (مطبوعہ) مولفہ مولانا سید آل احمد بلگرامی

۴۔اخبار الاخیار میں بعد وفاتِ جنت مآبؒ علامہ کنتوری آپ کے فتوے شائع کرتے تھے

(۱۰) عماد العلماء فقیہ اہلبیت مولانا سید مصطفیٰ ''میر آغا صاحب'' مجتہد علیین مآبؒ (امام جمعہ لکھنؤ) بن عمدۃ العلماء سید محمد ہادی مجتہد

ولادت:۔ربیع الاول ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۷ء

وفات:۔ پنجشنبہ ۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۶ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

۱۔کفایت السائلین (فتاویٰ)

۲۔خزانۃ المسائل (فتاویٰ)

۳۔مسائل حسینیہ فی احکام المصطفویہ (فتاویٰ) مولفہ مولانا سید محمد حسین صاحب پیش نماز فیض آباد۔مطبوعہ مطبع اثنا عشری لکھنؤ شعبان ۱۳۱۴ھ

۴۔ماہنامہ معالم لکھنؤ میں آپ کے فتوے ۱۳۱۸ء سے شعبان ۱۳۲۳ھ تک چھپتے رہے ہیں

۵۔عشرۂ کاملہ در مسائل نماز جمعہ کے آخر میں آپ کے بھی فتوے موجود ہیں

۶۔مفاتیح الجنان (فتاویٰ)

۷۔عجالۂ مفحمہ (فتاویٰ) مطبوعہ اثنا عشری ۱۳۱۳ھ

۸۔اخبار امامیہ لکھنؤ کے دو ورق فتوے پر مشتمل ہوتے تھے

۹۔فتاوائے عماد العلماء (غیر مطبوعہ) کتاب ۵۵۸ کتب خانہ عمدۃ العلماء

۱۰۔''ظہیر المومنین'' فتاویٰ مولفہ مولانا سید آل احمد بلگرامی (مطبوعہ)

نوٹ: آپ نے ایک لاکھ سے زیادہ فتوے اور جواب لکھے ہیں۔

(۱۱) سند المجتہدین علامہ جائسی مولانا سید علی حسن (امام جمعہ و جماعت جائس) **ابن مولانا سید غلام امام نقوی**

حدود ولادت ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۶ء

وفات: پنجشنبہ ۲؍رجب ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۷؍مئی ۱۹۱۴ء مدفون بہ جائس ضلع رائے بریلی

۱۔ آپ سے مستقلاً استفتاء ہوتے رہتے تھے بہت سے راجگان آپ ہی سے مستفتی ہوتے تھے۔بندہ کے پاس آپ کے نام بہت سے استفتائی خطوط موجود ہیں آپ صاحب علیہ بھی تھے

۲۔مجموعہ فتاوائے علامہ جائسی مرتبہ سجاد حسین کردلوی (ضلع رائے برایلی)

(۱۲) ملاذ العلماء مولانا سید ابوالحسن نقوی (جناب بچھن صاحب) مجتہد ابن ملک العلماء سید بندہ

حسین مجتہد مغفرت مآب

ولادت: ۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء

وفات ۱۷ / صفر ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

۱- جوابات استفتائات مطبوعہ تصویر عالم پریس لکھنؤ و جواب استفتاء مطبوعہ شاہی پریس لکھنؤ ۱۲۲۷ھ

۲- آپ نے ہزاروں فتوے دئے ہیں کچھ فتوے عشرۂ کاملہ درمسائل نماز جمعہ کے آخر میں مطبوع ہیں

(۱۳) بحر العلوم مولانا سید محمد حسین (جناب علن صاحب) مجتہد ابن ملک العلماء مغفرت مآب

ولادت- ۱/ رجب ۱۲۶۷ھ ۱۸۵۱ء

وفات:- جمعہ ۲۸/ رجب ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

۱- عملیہ (درطہارت وصلوۃ)

۲- کتاب المسائل (ضخیم)

۳- مولوی سید فدا محمد نقوی کربلائی فصاحت جائسی کے چند فقہی سوالات پر آپ نے فتوے دئے ہیں

۴- فتاویٰ در ماہنامہ شیعہ (کھجوہ سارن بہار) جنوری ۱۹۰۵

(۱۴) فخر العلماء مولانا سید کلب باقر نقوی جائسی مجتہد ابن مولانا سید کلب حسین نقوی جائسی مجتہد

حدود ولادت:- ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء

وفات: ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء مدفون بہ کربلائے معلیٰ

آپ نے مولوی فدا محمد نقوی فصاحتؔ جائسی کے سوالات کے جواب میں فتوے دئے ہیں بلکہ بندہ نے جائس کے کئی گھروں میں آپ کے فتوے دیکھے ہیں

(۱۵) قدوۃ العلماء مولانا سید کلب صادق المعروف بہ سید آقا حسن نقوی مجتہد (امام جمعہ لکھنؤ) بن مولانا سید کلب عابد نقوی جائسی

ولادت:- ۶/ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ (آپ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے بانی تھے)

وفات- ۷/ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ پنجشنبہ ۱۲/ ستمبر ۱۹۲۹ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

۱- خزانۃ المسائل (فتاویٰ)

۲- ماہنامہ "ابلاغ" لکھنؤ میں جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ سے ربیع الاول ۱۳۴۸ھ تک آپکے فتوے شائع ہوئے ہیں

۳- مولوی سید فدا محمد فصاحتؔ جائسی نے آپ سے استفتاءات کئے ہیں جنکی کاپیاں مرحوم کے کتب خانہ میں موجود ہیں

۴- فتاویٰ در کتاب "اصلاح مراسم عزاداری" مصنفہ ابو البیان مولانا سید اکبر مہدی موسوی سلیمؔ جرولی مرحوم

(۱۶) صدر المحققین ناصر الملت مولانا سید ناصر حسین موسوی مجتہد ابن علامہ مولانا میر حامد حسین موسوی کنتوری

ولادت:- ۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۲۸۴ھ اکتوبر ۱۸۶۷ء پنجشنبہ

وفات پنجشنبہ ۱/ رجب ۱۳۶۱ء مطابق ۱۹۴۲ء مدفون بہ مقبرہ شہید ثالثؒ آگرہ

۱- امختار المسائل (فتاویٰ)

-۲ مفتاح الہدایۃ (فتاویٰ)

-۳ تحفہ احمدیہ (۳ جلد موافق فتاویٰ)

-۴ ابو البیان مولانا سید اکبر مہدی موسوی سلیمؔ جرولی کی تصنیف اصلاح مراسم عزاداری کے آخر میں آپ کے فتوے مطبوع ہیں

-۵ ماہنامہ ''ابلاغ'' لکھنؤ میں آپ کے فتوے موجود ہیں

-۶ ماہنامہ الشہید آگرہ میں آپ کے فتوے مستقلاً شائع ہوتے رہے ہیں

-۷ ماہنامہ العوارف لکھنؤ میں ۱۳۲۵ھ سے ۱۳۲۹ھ تک آپ کے فتوے شائع ہوتے رہے ہیں۔

-۸ اسباغ النائل فی تحقیق المسائل (کئی جلدوں میں ہے غالباً غیر مطبوعہ ہے)

(۱۷) باقر العلوم مولانا سید محمد باقر رضوی مجتہد بن مولانا سید ابوالحسن رضوی مجتہد

ولادت-۷ رصفر ۱۲۵۸ھ ۱۸۶۸ء

وفات:-۱۶ رشعبان ۱۳۴۶ھ پنجشنبہ ۱۹۲۸ء مدفون بہ کربلائے معلیٰ

-۱ فتاویٰ در ماہنامہ شیعہ (کھجوہ سارن) جنوری ۱۹۰۵ء

-۲ مولوی فدا محمد نقوی فصاحتؔ جائسی کے فقہی سوالات پر آپ نے فتوے دئے جو مرحوم کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں بلکہ بندہ نے بہت سے رسائل میں آپ کے فتوے دیکھے ہیں

-۳ فتاوائے باقر العلوم مؤلفہ سراج الشعراء مولوی سید آل محمد نقوی مہرؔ جائسی

(۱۸) نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن رضوی مجتہد بن سید اکبر حسین رضوی امروہوی

ولادت:-۶ رذی الحجہ ۱۲۷۹ھ ۲۶ مئی ۱۸۸۲ء دوشنبہ

وفات- یکشنبہ ۱۷ رصفر ۱۳۶۰ھ ۱۶ رمارچ ۱۹۴۱ء مدفون بہ مدرسۂ ناظمیہ

-۱ اجوابات وفتاویٰ

-۲ مولوی سید فدا محمد نقوی فصاحتؔ جائسی کے سوالات پر آپ کے فتوے ہیں جو فصاحتؔ مرحوم کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں

-۳ فتاویٰ در ماہنامہ شیعہ (کھجوہ سارن) جنوری ۱۹۰۵ء

(۱۹) سلطان العلماء افقہ الفقہاء مولانا حکیم سید سبط حسین نقوی جائسی مجتہد بن مولانا سید رمضان علی نقوی جائسی

ولادت-۱۵ رشعبان ۱۲۸۴ھ ۱۸۶۷ء

وفات- ۴ رمارچ ۱۹۵۲ء مطابق جمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ مدفون بہ صدر امام بارگاہ جونپور

-۱ جامع عباسی (اردو) موافق فتاویٰ (مطبوعہ جونپور)

-۲ تحفۃ العوام موافق فتاویٰ مطبوعہ اثنا عشری شعبان ۱۳۲۵ھ

-۳ مولوی سید فدا محمد نقوی فصاحتؔ جائسی کی بیاض پر آپ کے بھی فتوے موجود ہیں

(۲۰) ظہیر الملت والدین مولانا سید ظہور حسین مجتہد بن سید زندہ علی بارہوی

ولادت-۱۲۸۲ھ ۱۸۶۴ء

وفات-۱ رذیقعدہ ۱۳۵۷ھ ۲۳ ردسمبر ۱۹۳۸ء مدفون بہ

کربلائے معلیٰ

-۱مسائل جعفریہ (موافق فتاویٰ)

-۲سید ہدایت حسین زیدی قمرؔ بہرائچی آپ سے کچھ مسائل میں مستفتی ہوئے تھے تو آپ نے فتوے دئے تھے۔فتوے ساغرؔ مہدی مرحوم صاحب کے یہاں بہرائچ میں موجود ہیں۔

(۲۱) حکیم الامت علامہ ہندی مولانا سید احمد نقوی مجتہد بن سید العلماء سید محمد ابراہیم مجتہد فردوس مکان

ولادت-۱۸/ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء

وفات-۲۰/شعبان ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-۱افتاوائے احمدیہ (مطبوعہ پٹنہ)

-۲مولانا سید تقی حسن نقوی تقیؔ جائسی کے قصائد کے مجموعہ کے آخری صفحات پر آپ کے کچھ فتوے تحریر ہیں جو تقی حسن صاحب کے استفتاء پر دئے گئے ہیں۔

(۲۲) کہف العلما و شمس العلماء مولانا سید ابن حسن نقوی مجتہد بن میر احسن رضا جائسی

ولادت: ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء

وفات: ۲۶-/شعبان ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۹ء مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-۱ماہنامہ ''ابلاغ''، لکھنؤ میں آپ کے فتوے شائع ہوئے ہیں

-۲مولوی سید آل محمد نقوی مہرؔ جائسی کے کتب خانہ میں آپ کے کچھ فتوے موجود ہیں۔

(۲۳) ذاکر شام غریباں عمدة العلماء مولانا سید کلب حسین نقوی مجتہد (امام جمعہ لکھنؤ) ابن قدوة العلماء مولانا سید آقا حسن نقوی مجتہد

ولادت-۶/شعبان ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۲ء

وفات-۱۷/جمادی الاول ۱۳۸۳ھ ۶/اکتوبر ۱۹۶۳ء

مدفون بہ حسینیہ غفرانمآب

-۱ماہنامہ ''ابلاغ''، لکھنؤ میں آپ کے فتوے مطبوع ہیں۔

-۲مولوی سید رضا محمد نقوی رضاؔ جائسی آپ سے کئی بار مستفتی ہوئے تھے آپ نے جو فتوے دئے تھے وہ کتب خانہ فدا احمد میں موجود ہیں۔

-۳سحاب ہفتہ وار لکھنؤ میں آپ کے فتوے ایک عرصہ تک شائع ہوئے ہیں

(۲۴) سعید الملت الحاج مولانا سید محمد سعید مجتہد بن ناصر الملت مولانا سید ناصر حسین موسوی مجتہد

ولادت-۸/محرم ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۱/نومبر ۱۹۱۴ء

وفات-۱۲/جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۷/ستمبر ۱۹۶۷ء بروز یکشنبہ۔

مدفون بہ مقبرۂ شہید ثالث علیہ الرحمہ آگرہ۔سحاب ہفتہ وار لکھنؤ دسمبر ۱۹۵۱ء میں اور دیگر رسائل میں بھی آپ کے فتوے شائع ہوئے ہیں۔

(۲۵) مفتی مولانا سید احمد علی موسوی مجتہد بن علامہ مفتی سید محمد عباس شوستری جزائری

ولادت: ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۶ء

وفات-۱۶/ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ۶/مارچ ۱۹۶۹ء مدفون بہ

مدرسہ ناظمیہ

-۱ سحاب ہفتہ وار لکھنؤ، دسمبر ۱۹۵۱ء میں آپ کے فتوے شائع ہوئے ہیں۔

-۲ اور بھی رسائل بندہ نے آپ کے فتوے دیکھے ہیں۔

-۳ مولانا سید محمد شاکر امروہوی صاحب مدرس مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ کے بیان کے مطابق مفتی صاحب ہر روز آٹھ دس استفتائی خطوط کے جواب لکھتے تھے مفتی صاحب کے فتویٰ نویس مولانا سید توقیر حسین سیتھلی تھے۔

(۲۶) سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی مجتہد نصیر آبادی بن مولانا سید ابوالحسن نقوی مجتہد

ولادت-۲۶/رجب ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء

وفات- یکم شوال ۱۴۰۸ھ ۱۸/مئی ۱۹۸۸ء (مدفون بہ مکتبہ امامیہ مشن حسینیہ جنت مآب) لکھنؤ

-۱ وجیزۃ الاحکام (فتاویٰ)

-۲ تحفۃ العوام موافق فتاوائے سید العلماء مطبوعہ کتب خانہ حسینیہ لاہور

-۳ مولوی سید رضا محمد نقوی رضاؔ جائسی کے سوالات پر جناب نے جو فتوے دئے ہیں وہ کتبخانہ فدا محمد جائسی میں موجود ہیں۔

-۴ جناب نے اپنے فتاویٰ محفوظ کر رکھے تھے مگر ایک سفر حج میں سعودی کسٹم میں اور بہتیری کتابوں کے ساتھ یہ مجموعہ بھی ضبط ہوگیا۔

(۲۷) تاج العلماء مولانا سید محمد زکی صاحب مجتہد بن حجۃ الاسلام مولانا سید محمد مجتہد

ولادت- محرم ۱۳۲۹ھ جنوری ۱۹۰۹ء

وفات: ۲۳- ربیع الاول ۱۴۱۸ھ ۲۹/ جولائی ۱۹۹۷ء

مدفون بہ مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ

ماہنامہ الواعظ لکھنؤ میں بعہد ادارت مولانا سید آغا مہدی صاحب آپ کے فتوے شائع ہوئے ہیں۔

❁❁❁

نور ھدایت بک ڈپو

نور ہدایت فاؤنڈیشن (حسینیہ غفرانمآبؒ، لکھنؤ) بک ڈپو سے سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

نیز دیگر علماء وادباء کے تصانیف مناسب قیمت پر حاصل کریں۔

(ادارہ)